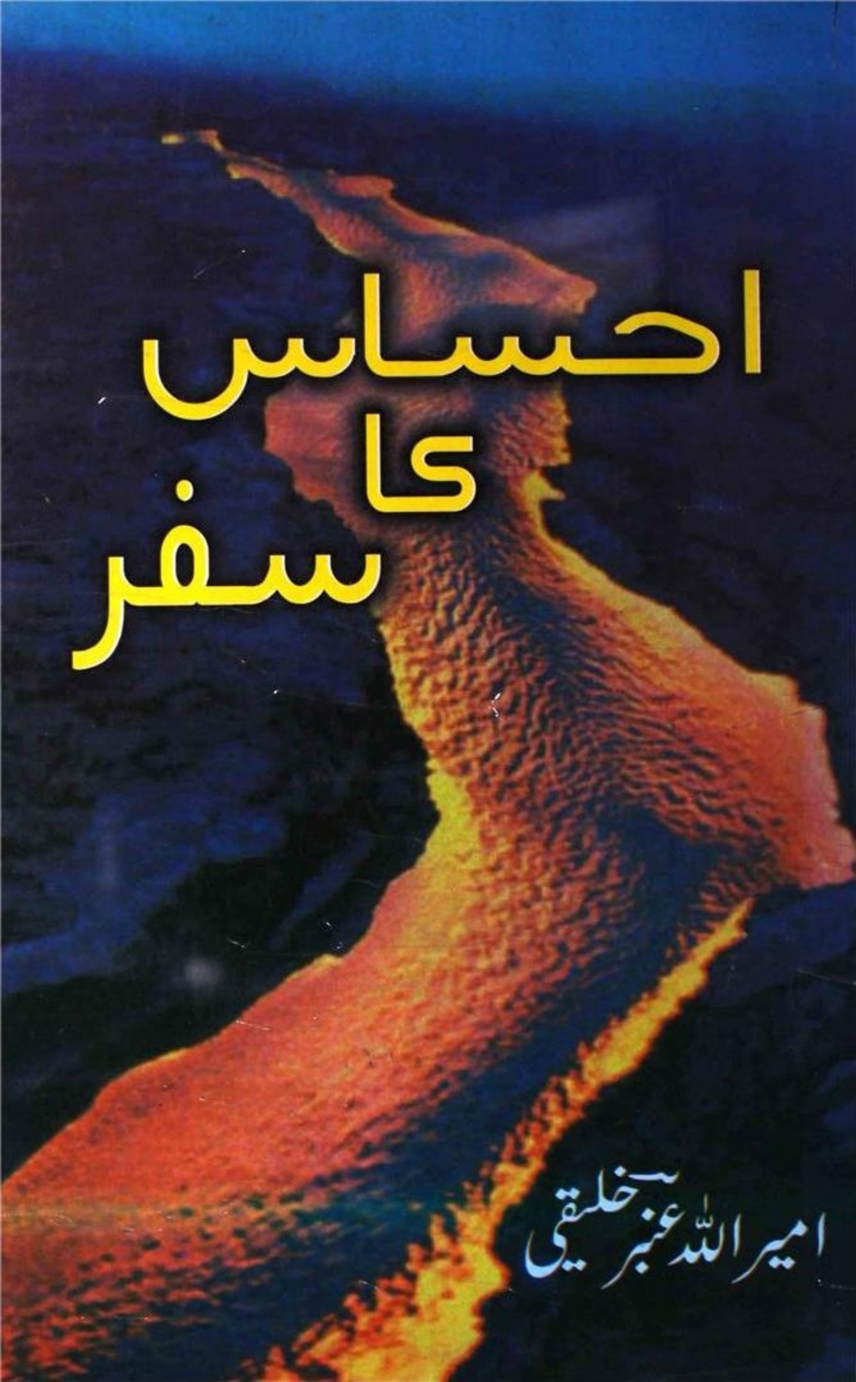

احساس کا سفر

امیر اللہ عنبر خلیقی

سبھی فِکری، ذہنی متاع کو تو فنِ سخن میں لگا دیا
جو گلِ خیال بھی پا گیا اُسے اِس چمن میں لگا دیا

اے حسین اردوئے دِل نشیں ترِی سربلندی کے واسطے
جو اثاثِ دِل مِرے پاس تھا ترِی انجمن میں لگا دیا

عنبر خلقی ناگپور

فِکر افزاء جائزے کا پہلا تاثّر

صحرا میں جس طرح ہے رواں پیاس کا سفر
ہے ذہن میں کچھ اِس طرح احساس کا سفر

مظہر امام اچلپور

برائے

محترم جناب ______ اردو اکیڈمی

فِکر افزاء جائزے کے واسطے ہی بالخصوص
پیشِ خدمت آپ کے ہے یہ مرا ادبی خلوص

آپ کے تاثّرات کا منتظر

08.04.08

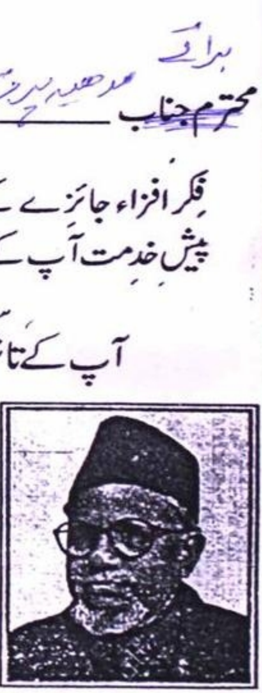

امیر اللہ عنبر خلقی
عنبر انٹرپرائزیز، قبرستان روڈ،
مومن پورہ، ناگپور-۴۴۰۰۱۸.
Mob. 93715692:7

اور امیر حلقہ و در بھ اور جماعت اسلامی کے نہایت سرگرم کارکن رہے، ان کے ہی چھوٹے بھائی محترم رفیق الرحمان کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ موصوف نے ادارۂ ادب اسلامی، ناگپور کے صدر کی حیثیت سے ہمیشہ مشاعروں اور شعری نشستوں کا بڑی خوبی کے ساتھ اہتمام و انصرام کر کے ہم شاعروں کو موقعہ اور سہولت فراہم کی اور دیگر ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ ساتھ ہی وہ مجھ جیسے کم مایہ شاعر کی ہمیشہ حوصلہ افزائی، خیر خواہی اور رہبری کرتے رہے۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں مولانا رحمت اللہ راشدؔ احمد آبادی اور مولانا منظور الحق شاکرؔ کامٹی کا تذکرہ نہ کروں۔ دونوں صاحبان قدم قدم پر میرے ساتھ ہیں۔ ہمت اور حوصلے کے ساتھ اپنے پر تعاون‘ نیک مشوروں سے نوازتے ہیں۔ میری ذہنی‘ تعمیری‘ سماجی اور معاشرتی سرگرمیوں میں شرکت اور اعانت فرما کر ممنون و مشکور فرماتے ہیں۔

میں ذمہ داران ادارۂ ادب اسلامی ہند کا بھی تہہ دل سے ممنون و مشکور ہوں کہ جن کی بے پناہ عنایت اور اعانت سے یہ کتاب معرض وجود میں آئی۔

پروردگار کے شکر پر اپنا معروضہ ختم کرتا ہوں‘ جس کی توفیق اور عطا سے یہ کتاب ’احساس کا سفر‘ منظر عام پر آئی۔

انہیں تو صرف خدا کا کرم کہیں عنبرؔ
ہیں مجھ سے خیر کی جو بھی صفات وابستہ

ناچیز
امیر اللہ عنبرؔ خلیقی
ناگپور

مال دنیا کے شائقین میں ہے
کیسے سمجھیں اسے کہ دین میں ہے

جس نے تعمیر خود کیا ہے مزار
آج شامل وہ زائرین میں ہے

سب کو بہتر کی جستجو ہے مگر
اپنی دلچسپی بہترین میں ہے

داد بے داد تک جو پہنچائے
شامل ایسا بھی سامعین میں ہے

ڈھونڈھتے ہو ادھر ادھر جس کو
سانپ وہ اپنی آستین میں ہے

کشتِ حق جس میں لہلہا اٹھے
ایسی زرخیزی کس زمین میں ہے

کیوں بھٹکتا ہے در بدر عنبرؔ
خیر دونوں جہاں کی 'دین' میں ہے

تھپکیاں دے کے نہ جذبوں کو سلایا جائے
وقت کی مانگ ہے احساس جگایا جائے

انقلابوں کی ضرورت ہو اگر ملت کو
اس کا کردار فقط سامنے لایا جائے

اپنے باطن کو اجالوں سے سجا لو یارو
اس سے پہلے کہ چراغوں کو بجھایا جائے

دیپ سے دیپ تو خود جلتے چلے جائیں گے
پہلے اک دیپ محبت کا جلایا جائے

حسن اخلاق کے، اخلاص کے، حق کے عنبرؔ
آج انہیں تمغوں سے سینوں کو سجایا جائے

جب یہ طوفان لعنت' اتر جائے گا
کر کے سرکش کو غارت' اتر جائے گا

کیوں نہ زیب بدن ہوں غلط کاریاں
جب لباسِ طہارت' اتر جائے گا

چڑھ رہا ہے بلندی پہ انساں مگر
کر کے کوئی حماقت' اتر جائے گا

جب یقیں ہوگا روزِ جزا پر ہمیں
دل میں ذوقِ عبادت' اتر جائے گا

امن کے شہر جب تک نہ برباد ہوں
کیسے سیلِ بغاوت' اتر جائے گا

مانا عنبرؔ ابھی چڑھتا سورج ہے وہ
آئے گی ایک ساعت' اتر جائے گا

مرے بیان سے تیرا بیان زخمی ہے
یقیں کی ضرب سے ہر اک گمان زخمی ہے

عروج آدم خاکی کی کیا کریں امید
یقیں کے زینے کا ہر پائیدان زخمی ہے

تماشہ ہوتا ہے ہر سمت ظلم و دہشت کا
یونہی تو بازوئے امن واماں زخمی ہے

ابھی نہ چھیڑئے عنبرؔ وفاؤں کے نغمے
کہ سازِ عشق کی ہر ایک تان زخمی ہے

ہو ناگزیر جو ہتھیار ساتھ لے جانا
محاذ جنگ پہ کردار ساتھ لے جانا

معارفات میں، اثبات پر قدم رکھئے
ہوں منکرات تو انکار ساتھ لے جانا

قلوب ہوں گے مسخر، یقین جاگے گا
خلوص مہر کی گفتار ساتھ لے جانا

رہِ ثبات میں جب لے کے جاں کو نکلے ہو
ضروری تو نہیں بازار ساتھ لے جانا

پسندِ خاطر احباب کے لئے عنبرؔ
تفکرات کا معیار ساتھ لے جانا

تری ہے نیکی، گناہ تیرا، ثواب تیرا، عذاب تیرا
عمل کی ہے چھوٹ جو بھی کر لے، ابھی ہے باقی حساب تیرا

اک انقلاب حیات برپا کرے گا اے! نوجوانِ مومن
وقارِ دیں پر لگے اگر یہ تمام زورِ شباب تیرا

تمام جگنو چمک ہی جائیں گے، خیر و برکت کے زندگی میں
جو تجھ میں داخل ہو حسن سیرت، عمل جو ہولا جواب تیرا

یہ غیر کی بزم ہے تو پردہ، ضروری ہے اے حیا کی پتلی
نگاہِ بد ہی پڑا کرے گی اٹھے اگر یہ نقاب تیرا

ہمیں تو عرفان ہے خودی کا، بھروسہ اپنے خدا پہ قائم
ہمیں شکنجے میں کیا کسے گا فریب دنیا سراب تیرا

جفا کشی تیری شان ہے تو مجاہدہ تیری زندگی ہے
تفنگ اور تیر، تیرے ہیں تو نہ چنگ ہے نا رباب تیرا

ضرور وقتی یہ مئے ہی تیری حیات بےخود بنا رہی ہے
مجھے تو یہ فکر کھا رہی ہے نہ خانہ کر دے خراب تیرا

جو اس کو سینچا ہے خوں سے عنبرؔ تو تیرے حق کا یہی تقاضہ
چمن کی اک اک کلی ہو تیری، چمن کا ہر اک گلاب تیرا

عیش و طرب میں وقت جو کھوئے گی بیٹھ کر
کیا کیا نہ پھر حیات یہ روئے گی بیٹھ کر

ہوگی رواں تو پار لگے گی کسی طرح
ورنہ حیات خود کو ڈبوئے گی بیٹھ کر

فطرت کا یہ اصول ہے اس زندگی کے ساتھ
کل کو وہ کاٹنا ہے جو بوئے گی بیٹھ کر

دولت کدے سے غیر کے پائے گی کیا حیات
اپنا یہاں وقار ہی کھوئے گی بیٹھ کر

ساماں خوشی کا کر لے جوانی میں اے حیات
آجائے گا بڑھاپا تو روئے گی بیٹھ کر

عنبرؔ عروج پاتی ہے کردار سے حیات
مٹی کی تہہ میں خود کو سموئے گی بیٹھ کر

وہ کائنات میں پھیلا جو نور لگتا ہے
اسی سے اپنا تعلق ضرور لگتا ہے

وہ آئینہ جو محاسب دل و نگاہ کا تھا
وہ آئینہ ہی ہمیں چور چور لگتا ہے

بدن تو پا گیا معراج پختگی لیکن
ہمارا ذہن بلوغت سے دور لگتا ہے

وہ جس نے پا لیا مفہوم کلمۂ توحید
بس اک وہی تو ہمیں با شعور لگتا ہے

یہ وضع داریِ دستار اور شانِ کلاہ
ہمیں نہ جانے یہ سب کیوں غرور لگتا ہے

جہاں حدود کرم ختم ہو چکیں عنبرؔ
وہیں سے قہر کا شاید ظہور لگتا ہے

یہ بات اور کہ وہ دور خیریت سے رہے
مگر زمانے میں اک خاص حیثیت سے رہے

جو سر کٹانے چلا، راہِ خیر میں اپنا
وہ دور کیسے بھلا ان کی اہمیت سے رہے

پناہ چاہنے والے خدا کی، ہر صورت
رہِ خطر میں بہر حال خیریت سے رہے

جتانا ٹھیک نہیں اپنی حیثیت لیکن
ہنر برتنے میں لازم ہے فوقیت سے رہے

جو نفرتوں کے ہیں تاجر، حقارتوں کے نقیب
انہیں تو خار سدا لفظِ اُنسیت سے رہے

وہ جانتے ہیں کہ عنبرؔ کے عیب اور ہنر
ہمیشہ چپکے خود اپنی ہی شخصیت سے رہے

جب ہم مثالِ زمیِ گفتار ہو گئے
صحرا میں جیسے سایۂ دیوار ہو گئے

مانا ہمارے راستے دشوار ہو گئے
پھر بھی سفر کے واسطے تیار ہو گئے

فرعونیت تھی پیچھے وہ غرقاب ہو گئی
دی راہ بحر نے ہمیں، ہم پار ہو گئے

گردش کے ہیں کرشمے کہ قدرت کے کھیل ہیں
عزت کا تھا غرور جنہیں خوار ہو گئے

نظروں میں اعتماد کے لائق جہان کی
بس وہ رہے جو صاحب کردار ہو گئے

یوسف اگر نہ بن سکے عنبرؔ تو کیا ہوا
یہ تو ہوا کہ رونق بازار ہو گئے

احوالِ واقعی

شاعری ایک بیکراں سمندر ہے اور اس بحر بیکنار کی حدیں متعین نہیں کی جاسکتیں۔فکر کے اعتبار سے تو اس کی تقسیم ممکن نہیں ہے۔ البتہ کئی اصناف سخن مثلاً مثنوی، غزل، نظم، خمسہ، رباعی، قطعات، مرثیہ، قصیدہ، حمد، نعت، سلام اور منقبت میں اسے تقسیم کیا گیا ہے۔جدید دور میں غزل اور نظم کے ساتھ آزاد اور معرا نظم، آزاد غزل، ہائیکو، سانیٹ اور ماہئے میں اس کو بانٹا گیا ہے۔روایات میں بھی بہت خوب کہا گیا ہے اور جدیدیت کے نام پر بہت کچھ کہا گیا اور کہا جارہا ہے اور بیک وقت مختلف فکر وخیال اور نظریوں کو پیش کیا جارہا ہے نیز زبان و بیان، لب ولہجہ کے لحاظ سے بھی کافی تبدیلیاں پیدا ہوگئی ہیں۔

اسلامی تعلیمات سے مرصع ذہنوں نے اپنا فکری اور نظریاتی رخ دینی اور ملی شعور کے ساتھ وابستہ کیا اور اپنے فکری دائرہ کار کو ''ادب اسلامی'' کے ساتھ مربوط رکھ کر محدود کردیا، لیکن یہ محدودیت اپنے اندر کس قدر لامحدود وسعتیں رکھتی رہے اس کو ثابت کرنے کے لئے الحاج امیر اللہ عنبرؔ خلیقی صاحب نے خالص اسلامی شعور اور دینی وملی

٭

جب بھی انساں سے واسطہ رکھئے
دل میں اُس کے لئے وفا رکھئے

کوئی آئے گا گھر سجا رکھئے
اور دروازہ بھی کھلا رکھئے

بوریہ گر نہیں تو کیا غم ہے
اپنی پلکوں کو ہی بچھا رکھئے

زندگی کے لئے ضروری ہے
کچھ اصول اور ضابطہ رکھئے

راہ جب بھی چلیں زمانے میں
کوئی نظروں میں نقشِ پا رکھئے

آج کے واسطے نہیں کافی
کل کی خاطر بچا کے کیا رکھئے

اِس کی عظمت کو جانئے عنبرؔ
سر ہے اِس کو نہ ہر جگہ رکھئے

○

✪

جو تھا مقصد کی راہ کا مالک
بن گیا عزّ و جاہ کا مالک

ہے دھنی کوئی اپنی قسمت کا
کوئی حال تباہ کا مالک

کوئی اپنے قلم سے شرمندہ
ہے کوئی واہ واہ کا مالک

جس کو جو چاہے وہ عطا کر دے
ہے سفید و سیاہ کا مالک

کاش دل بھی حسین رکھتا ہو
خوبصورت نگاہ کا مالک

نیکیوں کا حُصول مشکل ہے
بنتا آساں گناہ کا مالک

آپ عنبرؔ کو کیا سمجھتے ہیں
ہے غمِ بے پناہ کا مالک

○

(موشح نما غزل)

مجھے خبر نہ رہی   میں لمحے عیش وطرب میں گزارنے میں رہا   تمیز دین نہ تھی
محاسبے کی کبھی   میں زندگی کے دریچے سنوارنے میں رہا   نہ فکر موت رہی

بلادِ ذہن رساء   عجیب طرز کے منصوبوں میں مگن رہ کر   شک میں مبتلا ہوکر
شکارِ کم فہمی   یقین و دین کے جذبوں کو ہارنے میں رہا   یہ بھول مار گئی

غرور خود پہ رہا   محاسبے میں نہ تھی اپنی بھول اور خامی   نہ آئینہ دیکھا
بگھار کر شیخی   میں دوسروں کی ہی عزت اتارنے میں رہا   یہی تھی نا سمجھی

ملا نہیں عرفاں   خدا کے فضل و کرم پر مجھے یقین نہ تھا   نہ دیکھا جب قرآں
رہی جو خود فہمی   میں غیر حق کو ہی ہر دم پکارنے میں رہا   تو آخرت بھی گئی

یقین جب ڈوبا   یہ دہشتوں کے نظارے یہ وحشتوں کا سماں   یہاں وہاں دیکھا
زوالِ اخلاقی   جو صرف اب بھلے انساں کو مارنے میں رہا   بڑی یہ بیماری

پکڑ کے ایماں کو   خلوص وصدق کی راہوں میں جب چلا عنبرؔ   سکونِ دل پایا
جو موت یاد آئی   عبادتوں سے ہی ہستی سنوارنے میں رہا   تو روشنی پائی

زندگی کو تو حوادث سے گزر جانا ہے
موت تو اصل میں حالات سے ڈر جانا ہے
زندگی کیا ہے سفر ایک مسلسل جاری
موت کیا ہے کسی منزل پہ ٹھہر جانا ہے
صرف جی لینا ہی کافی نہیں اس دنیا میں
رکھے زندہ جو تمہیں کام وہ کر جانا ہے
ہوں نہ مایوس کہ یہ دور بدل جائے گا
شب تاریک کو بھی سوئے سحر جانا ہے
ہے یہ بڑھتی ہوئی طاقت پہ تکبر بے جا
چڑھتے دریا کو بہر حال اتر جانا ہے
تھام لے مشعل حق رہروئے عرفان خودی
اک گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے جدھر جانا ہے
مختلف سمت بھٹکنے سے بھلا کیا حاصل
اک جگہ بیٹھ کے سوچو کہ کدھر جانا ہے
بن کے کمزور زمانے میں رہا کیوں آخر
اب یہ الزام بھی مظلوم کے سر جانا ہے
ساری دنیا کا چلن بگڑا ہے عنبر تو کیا
آپ کو اپنی جگہ خود ہی سُدھر جانا ہے

خدمت پر مامور ہوئے ہم
ایسے خود سے دور ہوئے ہم

چہرے جل کر بجھ جاتے ہیں
کیوں اتنا مشہور ہوئے ہم

محنت رائی ہے ہم پتھر
نرم دلی سے چور ہوئے ہم

ظلم گوارہ کر لیتے ہیں
کیوں اتنے مجبور ہوئے ہم

کچھ بھی نہ تھے، مسرور بہت تھے
سب کچھ سے رنجور ہوئے ہم

سڑتا ہے ماحول ہی سارا
کیا کوئی ناسور ہوئے ہم

عنبرؔ ہیں خوشبو ہی بکھیریں
فطرت سے مجبور ہوئے ہم

چراغ بن کے جلو! روشنی کی بات کرو
کرو جو بات میاں! زندگی کی بات کرو

کمالِ حق یہ نہیں، دوسروں کے حق چھینو
کمال یہ ہے کہ دریا دلی کی بات کرو

سجا کے مت رکھو چہرے پہ درد کے قصے
ہنسی کے پھول بکھیرو، خوشی کی بات کرو

خلوص و مہر و وفا کے جو گیت گاتا ہے
اسی کی بات کرو، بس اسی کی بات کرو

تم اپنے آپ کو پہچان لو خدا کی قسم
خدا ضرور ملے گا، خودی کی بات کرو

خود اپنی بات میں سمٹو یہ ہے غلط عنبرؔ
اگر ہے بات ہی کرنی، سبھی کی بات کرو

کوئی لپٹ کے مسائل سے رو رہا ہوگا
کوئی سکون کے دامن میں سو رہا ہوگا

زمین جہل سے پائے گا فصل علم کہاں
پس اپنے حق میں وہ کانٹے ہی بو رہا ہوگا

اسی کے واسطے رحمت کے پھول برسیں گے
جو اپنے اشکوں سے دامن بھگو رہا ہوگا

مقدرات کا ہوتا ہے کھیل ایسا بھی
کنارے لاکے وہ کشتی ڈبو رہا ہو گا

بہاؤ خون کے آنسو نصیب پر اُس کے
عنایتوں کو جو پاکر بھی کھو رہا ہو گا

اُسی پہ حضرت عنبرؔ چلیں گے پتھر بھی
تلاش حق میں جو دیوانہ ہو رہا ہوگا

○

زیست کے طوفاں میں ساحل ڈھونڈھتے رہ جاؤ گے
راہ سے بھٹکے تو منزل ڈھونڈھتے رہ جاؤ گے

جو کلام نرم و نازک سے بنا لیتے تھے بات
ان بھلے لوگوں کی محفل ڈھونڈھتے رہ جاؤ گے

مکر کی دنیا میں عیاری سے ملتا ہے عروج
صرف محنت کر کے حاصل ڈھونڈھتے رہ جاؤ گے

ہو کے قد آور جھکا رہتا ہے جس کا سر سدا
ایسی ہستی کا مقابل ڈھونڈھتے رہ جاؤ گے

بے حیائی دورِ حاضر کی بتاتی ہے ہمیں
ہیں بہت لیلائیں، محمل ڈھونڈھتے رہ جاؤ گے

جستجو ہے جب تمہیں عنبؔر نئی راہوں کی آج
کون کہتا ہے مراحل ڈھونڈھتے رہ جاؤ گے

ہم نہیں کہتے کم تلاش کرو
جتنا ملتا ہے غم تلاش کرو

دو بدو دم بہ دم تلاش کرو
امن، مل کر بہم تلاش کرو

میں اذانوں میں حق کو پاتا ہوں
تم بھی کوئی صنم تلاش کرو

مسئلے روح و دل کے حل جو کرے
ایسا شیخِ حرم تلاش کرو

زخم ہی ہاتھ آئیں گے عنبرؔ
نہ کسی کا کرم تلاش کرو

بکھرے اس طور راہ میں کانٹے
لگ رہے ہیں نگاہ میں کانٹے

ذہن جب بھر گئے تعصب سے
پڑ گئے ہیں نباہ میں کانٹے

پھول محفوظ ان کے دامن میں
اور میری پناہ میں کانٹے

وہ سماعت میں میری چبھتے ہیں
ہیں تری واہ واہ میں کانٹے

تاج پھولوں کے تھے سروں پہ کبھی
آج ہیں ہر کلاہ میں کانٹے

یہ نہ معلوم ہو سکا عنبرؔ
کب اُگے اپنی چاہ میں کانٹے

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

عشرت کے طلبگاروں کو بازار بہت تھے
جانبازوں کی خاطر رسن و دار بہت تھے

کردار و عمل سے نہ تعلق رہا جن کا
ایسے بھی یہاں صاحب گفتار بہت تھے

کیوں لٹ گئے دنیائے خرابات میں آخر
اس میں تو پنپ جانے کے آثار بہت تھے

پھولوں سے بھری راہ میں آرام کہاں ہے
گزرا ہوں ادھر ہی سے جدھر خار بہت تھے

دیکھا نہ گیا ان سے کسی اور کو خوش حال
کوتاہ نگاہی سے جو بیزار بہت تھے

طعنوں کے سوا اپنوں سے عنؔبر کو ملا کیا
ہاں دل کے دلاسوں کو بس اغیار بہت تھے

روشنی بن کے جو یادوں میں مری تو آئے
قرب کی تیرے ہر اک سمت سے خوشبو آئے

ذہنِ تخریب کہاں اس کو پنپنے دے گا
سامنے جب کوئی تعمیر کا پہلو آئے

قلب انساں کے تغیر کا جو ساماں کر دے
کاش ایسا مجھے منتر کوئی جادو آئے

تشنگی جس کا مقدر تھی وہ پیاسا ہی رہا
گھر کے لاکھ ابر برس جانے کو ہر سو آئے

اس قدر گھور اندھیرا ہے، بڑھیں کیسے قدم
رہنمائی کے لئے کوئی تو جگنو آئے

خشک موسم کی روانی ہے ابھی تک عنبؔر
مدتیں گزریں مری آنکھ میں آنسو آئے

بے سمت راستوں پہ اگر کارواں گئے
بھٹکے تمام سمت سبھی رائیگاں گئے

وہ ہی مقدراتِ زمانہ بدل سکے
جو راہ حق میں لے کے ہتھیلی پہ جاں گئے

کیا خوش نصیب تھے کہ رہے جن کے کچھ نشاں
تھے ورنہ کتنے ایسے کہ جو بے نشاں گئے

احسان میرؔ و غالبؔ و اقبالؔ کا ہے یہ
مجھ بے زباں کو دے کے حسیں اک زباں گئے

اہل کرم تمام ستم گر بنے ہیں آج
دعوے خلوص دل کے سبھی رائیگاں گئے

جو تھے گماں والے بنے صاحب یقیں
کیوں ہم یقین والے ہی سمتِ گماں گئے

نفرت بکھیرتی رہی عنبرؔ زباں کوئی
ہم نے جلائی شمعِ محبت جہاں گئے

✪

بادل کہیں امید کے چھائے بھی نہیں ہیں
مایوسی کے دل پر مرے سائے بھی نہیں ہیں

کس طرح بڑھا سکتے ہو تم اس کی بلندی
کمزور عمارت کے تو پائے بھی نہیں ہیں

بے مثل ہیں تیراک یہ کیسے کریں دعویٰ
منجھدھار میں،ہم لوگ تو آئے بھی نہیں ہیں

چبھتا ہوا احساس کہ دل چیر رہا ہے
اور زخم مرے جسم پہ آئے بھی نہیں ہیں

ہے دھوپ مصائب کی کڑی راہِ وفا میں
رستے میں کہیں پیڑ کے سائے بھی نہیں ہیں

کیوں خوف سے لرزیدہ، پریشان ہے دنیا
طوفاں تو ابھی ہم نے اٹھائے بھی نہیں ہیں

لمحات بہر طور گزرتے رہے عنبرؔ
روئے جو نہیں ہم کبھی گائے بھی نہیں ہیں

○

سہارا لے کے مئے ناب کے پیالوں کا
تلاش کرتا ہے درماں وہ دل کے چھالوں کا

تھا اس کی شعلہ بیانی کا ہر طرف چرچا
جواب دے نہیں پایا مرے سوالوں کا

ہو خیر میرے جنوں کی، کہ اب مری وحشت
پکڑ رہی ہے گریبان عقل والوں کا

اسے نہ فکر رہی دوسروں کے غم کی کبھی
غلام بن گیا جو اپنے ہی خیالوں کا

بھٹک رہا ہے وہ تشکیک کے اندھیروں میں
جسے تھا دعوئ پرستار ہے اجالوں کا

اُداس اپنی نہ کم مائیگی سے ہو عنبرؔ
نصیب ہوتا ہے ایسا ہی باکمالوں کا

زمانے بھر میں تب وتاب ورنگ وبو ہے بہت
بچانی ہم کو یہاں دیں کی آبرو ہے بہت

یہ مانا دولت و ثروت کی آرزو ہے بہت
تو کیسے پائے گا جو مائل صبو ہے بہت

نگاہ ان کی ہے پتھر کے آستانوں پر
ہمارے واسطے پروردگار تو ہے بہت

جتائے عیش کے سامان نت نئے لیکن
ہے بات کیا کہ تڑپ ان کے روبرو ہے بہت

بیان تیرا نہ کیوں دل پہ ہو اثر انداز
ہر ایک بات میں لیکن تری غلو ہے بہت

پرانی قدروں سے سیکھا ہے گفتگو کا چلن
نئے خیال کی اب ہم کو جستجو ہے بہت

بتایا لوگوں نے عنبؔر کو تب ہوا معلوم
تری زمانے میں عزت ہے آبرو ہے بہت

دینے والا ہے اگر ہاتھ تو سر پر رکھ دو
ہو اگر دستِ سوالی اُسے در در رکھ دو

کاوش و حسن عمل صرف ہیں الفاظ اگر
اپنی بربادی کا اب نام مقدر رکھ دو

ہم کو آتا ہے ہر اک شے کے برتنے کا ہنر
چاہے تم ہاتھ پہ پتھر کہ گل تر رکھ دو

طبع جولاں بھلا خاطر میں کہاں لاتی ہے
میرے آگے کوئی موّاج سمندر رکھ دو

آسماں چھوتی ہے سوچوں کی بلندی عنبؔر
ہو کوئی چیز مرے قد کے برابر رکھ دو

مشاہدات کا خمیازہ شعر ہوتا ہے
خرد کے شہر کا دروازہ شعر ہوتا ہے

ہجوم یاس میں بکھرے اگر صدا بن کر
تو آرزوؤں کا شیرازہ شعر ہوتا ہے

ہمارے عزم و عمل پر ہے انحصار تمام
اک انقلاب کا آوازہ شعر ہوتا ہے

وہ جس میں لفظ و معانی کی ہو مہک عنبرؔ
غزل کا حسن، گل تازہ شعر ہوتا ہے

دھوپ ہی دھوپ ہے کچھ چھاؤں ملے تو سولوں
بھیڑ ہی بھیڑ ہے تنہائی ملے تو رولوں

جس میں جھانکوں گا وہاں دہشت ونفرت ہوگی
کون سا باب نیا اب میں جہاں میں کھولوں

جاہلوں کی ہے بہت بھیڑ اب آگے پیچھے
کوئی گیانی جو ملے ساتھ اسی کے ہولوں

میں جو بولوں تو بھلی بات ہی بولوں لیکن
کوئی سنتا ہی نہیں آج میں کس سے بولوں

وزن گفتار کا عنبرؔ کبھی پھر دیکھوں گا
پہلے میزان میں میں فکر کو اُس کی تولوں

یوں راہ صداقت میں تو سرگرم سفر ہو
تھوڑا سا ادھر ہو نہ ذرا سا بھی ادھر ہو

چٹانوں میں گزرے کہ وہ کانٹوں میں بسر ہو
بہتر ہے وہی زیست جو آسودہ نظر ہو

ابھریں گے بھلائی کے کئی پہلو نظر میں
لوگوں کی برائی سے اگر صرف نظر ہو

احساس کی وہ گرم نگاہی سے کٹیں گے
شیشہ ہو کہ پتھر ہو کہ ہیرے کا جگر ہو

اس دور المناک میں آپہنچی ہے دنیا
جب آنکھ لہو روئے قلم خون میں تر ہو

عنبرؔ جو کہیں آپ وہی کر کے دکھائیں
کردار کی خوشبو ہو تو باتوں میں اثر ہو
کردار

○

فکر کے ساتھ اپنے قلم کو جب رواں دواں کیا تو فکر و خیال کے ساتھ زبان و بیان اور لب ولہجہ کے ایسے منفرد اور نادر تجرباتی نمونے پیش کئے ہیں جن کی مثال اردو شاعری میں نہیں ملتی۔

زیر مطالعہ کتاب ''احساس کا سفر'' عنبرؔ خلیقی کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ یوں تو قرآن مجید کا منظوم ترجمہ تو کئی حضرات نے کیا ہے مگر اُن کا اسلوب مثنوی ہے۔ عنبرؔ خلیقی نے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ غزل کے اسلوب میں کر کے انفرادیت قائم کی ہے۔ شعراء نے غزل میں عشق ومحبت اور راز و نیاز کے مضامین باندھے ہیں، لیکن تغزل کے لوازمات کے ساتھ تشبیہہ اور استعارات کا استعمال کر کے عنبرؔ خلیقی نے '' گلستان دین'' کی بات کی ہے، یہ بھی ایک خاص اہمیت کا حامل کام ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نثری ذکر تو ملتا ہے اور چیدہ چیدہ اشعار میں بھی اشارۃً ذکر پایا جاتا ہے، لیکن عنبرؔ خلیقی صاحب نے آزاد نظم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سوانح قرآن کریم کی تصدیق کے ساتھ پیش کی ہے۔ علاوہ ازیں خالص دینی اور ملی فکر کے ساتھ، دیگر آزاد نظمیں بھی کہی ہیں۔

بابری مسجد کی شہادت کے پس منظر میں کہی گئیں دونوں نظمیں اور جنوبی افریقہ کی آزادی کے بعد کہی گئی نظم ''مکتی'' قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

غزلیات میں مروجہ انداز' لب ولہجے اور بیان سے ہٹ کر فکر کی پوری گہرائی کے ساتھ دینی اور ملی تقاضوں کی مضمون آفرینی کرتی ہوئی غزلیں مہارت فن کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ خاص طور پر دو قافیہ، شش قافیہ اور شش عنوان کی غزلیں۔

عام غزل کے شعروں میں مومنانہ عظمت، حسن کردار اور حسن اخلاق کے ساتھ

ذہن آسودہ، اچھوتی سی، کہانی مانگے
ذہن کمزور، کراماتی نشانی مانگے

ذہن میرا کہ طلب جس کی سراسر حق ہے
سچ کا، انصاف کا ایثار کا بانی مانگے

دینِ حق دیتا ہے جس قید سے انساں کو نجات
آج انسان، وہی سر کی گرانی مانگے

ساری دنیا ہے ابھی پیاس کے اس عالم میں
بیچ ساگر میں کھڑی ہو کے جو پانی مانگے

وقت تو آج ہے کردار کا طالب عنبرؔ
کون کہتا ہے کہ وہ شعلہ بیانی مانگے

زندگی کا آؤ ہر انداز طوفانی کریں
وقت کے فرعون کو یوں غرقِ طغیانی کریں

ہائے یہ مکر و سیاست یہ ہماری سادگی
اور کھائیں ان سے دھوکا روز نادانی کریں

صبر و ہمت سے کریں ہر مرحلہ طے راہ کا
آؤ پیدا اس طرح مشکل میں آسانی کریں

جان و مال و آبرو ہم نے گنوائے بے حساب
دیش والو اور بتاؤ کتنی قربانی کریں

باندھ رکھیں آنسوؤں کو ضبط کی زنجیر سے
دل کے موسم کو کبھی ہرگز نہ بارانی کریں

کیسے پائیں لوگ عنبرؔ اب عذابوں سے نجات
شکوہ کرتے ہیں خدا سے آپ من مانی کریں

ہماری زندگی کے سارے تیور خاک ہو جاتے
خودی سے ہم نکل آتے جو باہر خاک ہو جاتے

یہ دریا سوکھ جاتے یہ سمندر خاک ہو جاتے
کہ آہِ گرم سے ممکن ہے پتھر خاک ہو جاتے

رہ شکر و تحمل میں ہی قسمت مسکرائی ہے
اصول ناسپاسی سے مقدر خاک ہو جاتے

رکھ پائے جنوں کو بے خودی نے اپنے قابو میں
حدود ہوش سے آگے نکل کر خاک ہو جاتے

بچایا حق پسندی نے ہمیں ورنہ یہ لازم تھا
حسد کی آگ سے اندر ہی اندر خاک ہو جاتے

ستم کے دائروں میں قید ہو کر بچ گئے ورنہ
کرم یاروں کے ہو جاتے تو عنبرؔ خاک ہو جاتے

زمانہ اور زمانے کی گردشیں کیا ہیں
بدن تو خاک ہی ہونے ہیں رنجشیں کیا ہیں

گرفتِ قادر مطلق سے ہے فرار محال
حیات قید مسلسل ہے خواہشیں کیا ہیں

جو ہوں چٹان کی مانند ولولے مضبوط
ہزار سیل حوادث کی یورشیں کیا ہیں

ابھی تو سلسلۂ زندگی قرار پہ ہے
اب آگے دیکھیں زمانے کی سازشیں کیا ہیں

اک اضطراب مسلسل ہیں کائنات و حیات
فلک پہ چاند ستاروں کی گردشیں کیا ہیں

سخنوری میں اُسے جو وقار حاصل ہے
خدا کا فضل ہے عنبرؔ کی کاوشیں کیا ہیں

ہیرے، جواہرات، زر و مال کی طلب
بے حال کر رہی ہے یہی حال کی طلب

لذت غلط روی کی، تباہی کا دھن تمام
فیض دوام صحتِ اعمال کی طلب

خود رہ گزر نئی نہ بنا پائے جو کبھی
اُن کو سدا رہی رہ پامال کی طلب

غالبؔ کی شعر گوئی کو فن سے غرض رہی
ملّت کی سربلندی تھی اقبالؔ کی طلب

اب مل رہی ہے اپنے ہنر کو قبولیت
آخر کو رنگ لائی مہہ و سال کی طلب

سچائی اور خلوص سے جب مرحلے ہوں طے
تلوار کی طلب نہ وہاں ڈھال کی طلب

عنبرؔ نزاکتوں کی زرہ میں ہے مطمئن
اور وقت کر رہا ہے یہاں کھال کی طلب

سینۂ اطہر پہ اترے ہیں ہدایت کے حروف
ہیں جہاں والوں کے حق میں خیر و برکت کے حروف

ظلم و استبداد والو یہ حقیقت جان لو
ایک دن مٹ جائیں گے یہ سارے طاقت کے حروف

آخرت کے نقش ذہن و دل سے مٹتے جائیں گے
بڑھتے جائیں گے اگر دنیا کی دولت کے حروف

اس لئے عنبرؔ سنبھالا ہم نے ہاتھوں میں قلم
پیش کرنے ہیں ہمیں فن کے لیاقت کے حروف

✪

ہم نے عنوان پہ عنوان نکالے چھے ہیں
رزمِ شعری میں محاذ آج سنبھالے چھے ہیں

شکوہ، تنقیص، گلہ، طنز و تعارض اور غل
جن سے برہم ہوسکوں دل کا وہ نالے چھے ہیں

غیرت و شرم و حیا عفت و تعظیم و ادب
درِ تہذیب کے ٹوٹے ہوئے تالے چھے ہیں

عشوہ و ناز و ادا عیش و طرب اور شوخی
جن میں شیطان کی پوجا ہو' شِوالے چھے ہیں

کرب' رسوائی' الم' یاس' جدائی' وحشت
میرے احساس پہ ماضی کے یہ چھالے چھے ہیں

دین' ایمان' عمل' رحم و وفا اور اخلاص
آدمیت کی بقا کے یہ حوالے چھے ہیں

بھوک' بیکاری' تھکن' جھوٹ' عداوت نفرت
جو گلے پڑتے ہیں وہ قہر کے ہالے چھے ہیں

علم و فن' طرز سخن' وعظ و نصیحت کردار
جہل کے گھور اندھیرے کے اجالے چھے ہیں

دیدہ ریزی کی یہ تمثیل بنے گی عنبرؔ
ایک اک مصرع پہ عنوان جو ڈالے چھے ہیں

○

نصیب سوتا رہا ہے ان کا عمل سے جو دور تر ملیں گے
عجیب قصہ ہوا کہ شکوہ کناں وہی سر بسر رہیں گے

ہے دردِ دل وہ بلا کہ جس کے علاج کے واسطے جہاں میں
طبیب پیدا ہوا نہ ہوگا مریض ہی در بدر پھریں گے

قضا سے واقف ہیں ہم یقیناً مخالفت ہے ہماری فطرت
خطیب آیا گیا جو سیدھا اسے تو ہم مار کر مریں گے

مخالفانہ مزاجِ باطل، حقیقتوں سے جسے عداوت
مہیب حملہ ہوا جفا کا نہیں وہ حق گو مگر ڈریں گے

تھی بے رخی تپتا دشت عنبرؔ تو زندگی کے پڑے تھے لالے
قریب سایہ ملا وفا کا اسی کے زیر اثر جئیں گے

○

کس کو گفتار کی ضرورت ہے
آج کردار کی ضرورت ہے

کیوں غرور و نمائشیں یارو
یہ تو بیکار کی ضرورت ہے

جذبہ گم ہے کہاں اُخوت کا
وقت کو پیار کی ضرورت ہے

وقت ٹھہرے کہاں ہے ممکن یہ
ہم کو رفتار کی ضرورت ہے

ہم بھی بن سکتے ہیں پسندیدہ
صرف معیار کی ضرورت ہے

بخش دیجے خطائیں عنبرؔ کی
یہ گنہگار کی ضرورت ہے

اثبات میں مقام کر
اور نفس کو غلام کر

صبر و رضا کو تھام کر
مشکل کا قتل عام کر

جان اور دیں پہ جب بنے
تلوار بے نیام کر

انسان کو امان ہو
ایسا کچھ انتظام کر

عنبرؔ جو گفتگو کبھی
کرنی ہو خوش کلام کر

وحدانیت کا اظہار خالص اسلامی فکر کی نشان دہی کرتے ہیں، جس کی ضرورت آج کے پرآشوب دور میں سب سے زیادہ محسوس کی جارہی ہے۔ جیسے:

نگاہ ان کی در و بام و آستانوں پر
ہمارے واسطے پروردگار تو ہے بہت

مرضیِ حق نہ چھوڑے عنبرؔ
چاہے ہو جائے زندگی ناراض

جہاں برائی ہے وہ میری رہگزر کیوں ہو
جہاں جہاں ہے بھلائی، وہاں وہاں ہوں میں

سر جو رکھ دے غیر کے آگے کچھ پانے کی خاطر
وہ خود! اپنی خودداری کا قاتل لگتا ہے

اندھیری قبر میں کام آئے روشنی اپنی
وہاں تو کام نہ آئیں گے دوسروں کے چراغ

جو لمحہ لمحہ کر رہے ہیں احتساب ذات کا
انہیں سے بات کرتے ہیں صدی صدی کے سلسلے

روناہوا کب کار گر
جب وقت آئے صبر کر

سوچیں تو یکجا بیٹھ کر
ہم کیوں نہیں ہیں معتبر

دنیا کے نقشے ہیں مگر
کچھ آخرت کی فکر کر

تھا نام جن کا بام پر
کیوں ہو رہے ہیں دربدر

ایسے نہ تو ہرگز بکھر
آدھا اِدھر آدھا اُدھر

جس میں نہ ہو سچ کا ہنر
وہ بات ہوگی بے اثر

جب تل گیا وہ ظلم پر
چھوڑی نہیں کوئی کسر

یہ تو نہیں زادِ سفر
نظروں میں ہیں لعل و گہر

عنبرؔ سبھی زیر و زبر
آتے ~~رہی~~ زیر نظر
رہے ○

ایک مُنفرِد، تجرباتی کاوِش بعنوان

غزل کیا ھے؟

غزل کہتی عنبرؔ، غزل کہہ سُخنور
غزل ماہِ تاباں، غزل ہے مُنوّر
غزل تاج ہے تو، غزل سنگِ مرمر
غزل قیمتی ہے، غزل لعل و گوہر
غزل رُوح چھوتی، غزل ہے صَنوبر
غزل گلِ ہی گلُ ہے، غزل ہے معطّر
غزل بہتی ندیا، غزل گہرا ساگر
غزل ہے نشہ تو، غزل جام و ساغر
غزل اِک اِشارہ، غزل ایک تیور
غزل ذوقِ دِل ہے، غزل شوق کا دُر
غزل بُہہ کے ساگر، غزل ایسی گاگر
غزل نورؔ ہے تو، غزل پھیلے گھر گھر
غزل کب دُبی ہے، غزل ہے اُجاگر
غزل کہہ سُخنور، غزل کہتی عنبرؔ

الحاج
امیر اللہ عنبرؔ خلیقی
عنبر انٹر پرائزیز،
قبرستان روڈ، مومن پورہ،
ناگپور-۱۸.

مُحِبّی محترم الحاج امیر اللہ عنبرؔ خلیقی کے تعمیری ادب پر
مشتمل شعری مجموعہ "احساس کا سفر" سے متاثر ہو کر

حرف داد و تحسین

'احساس کے سفر' کی تعریف کیا کریں ہم
'عنبرؔ' کے اِس ہنر کی تعریف کیا کریں ہم

تعمیری شاعری کا یہ ہے حسیں نمونہ
افکارِ معتبر کی تعریف کیا کریں ہم

ہر لفظ اس کا جو ہر، ہر نکتہ اِک ستارہ
تخلیقِ پُر اثر کی تعریف کیا کریں ہم

اس کی چمک دمک ہی خود اس کی مدح خواں ہے
تابانیٔ گہر کی تعریف کیا کریں ہم

ہے کون جو نہیں ہے عنبرؔ کے فن کا شیدا
فنکارِ نامور کی تعریف کیا کریں ہم

ہر اِک زباں پہ کھل کر چلتا ہے جس کا جادو (خصوصاً اردو، ہندی، مراٹھی)
اِک ایسے جادوگر کی تعریف کیا کریں ہم

بحرِ ادب سے کیا کیا موتی بٹورے اس نے
اِس صاحبِ نظر کی تعریف کیا کریں ہم

پرواز فکر جس کی ہر طرح ہے مسلّم
اِس اہلِ باخبر کی تعریف کیا کریں ہم

مشقِ سخن کا اِس کی چرچا بہت ہے ہر سُو
اس مردِ دیدہ ور کی تعریف کیا کریں ہم

ہم عصر ہے یہ میرا ہے ناز مجھ کو اس پر
یا رَبّ! رہے سلامت میرا رفیق 'عنبرؔ'

- پروفیسر ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خاں منشاؔ، ناگپور

احساس کا سفر

Markaz Falah-ul-Uloom

Qabristan Road, Mominpura, Nagpur-440018

Designed by: Shahkar Arts # 0981068694

ملت کے احوال پر نظر ڈالنے کے بعد عنبرؔ خلیقی کا حساس دل جس حقیقت کو پالیتا ہے اس کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

جب نفاقوں کا سلسلہ جاگا
بڑھ گئی بات، بات کچھ بھی نہ تھی

کیسے سر کیسے مقامات پہ جھک جاتے ہیں
دین میں رسم غلاماں کبھی ایسی تو نہ تھی

عروج ملتِ بیضا کے خواب مت دیکھو
نفاق فکر سے اس کی اٹھان زخمی ہے

وہ آئینہ جو محاسب دل و نگاہ کا تھا
وہ آئینہ ہی ہمیں چور چور لگتا ہے

اس دور المناک میں آ پہنچی ہے ملت
جب آنکھ لہو روئے قلم خون میں تر ہو

عنبرؔ صاحب نے الف سے ی تک تمام حروف تہجی پر جس حرف سے شروع ہوا، اُسی حرف پر ختم ہو، کی پابندی کے ساتھ شعر کہے ہیں، یہی نہیں ایک نظم ''اقتضائے توحید'' اس طرح کہی کہ پہلا شعر جس حرف سے شروع ہو اس کے بعد والے حرف پر

ختم ہواور الف سے ی تک پوری حروف تہجی کی ترتیب میں اس پابندی کے ساتھ اشعار کہتے ہوئے نظم کی اس طرح تکمیل ہو کہ نفس مضمون کا ربط نہ ٹوٹے۔ اس میں دو مرتبہ حروف کی ترتیب آتی ہے۔ دوسری نظم ''دورِ نو کا المیہ'' مطلع بند شعروں کی ترتیب میں اسی پابندی سے کہی، اس میں تین مرتبہ الف سے ی تک پورے حروف کی ترتیب آتی ہے۔ وقت کے بے مثال خطیب مقرر اور شعر وسخن میں مستند اور کامیاب شاعر مولانا حافظ قاری سعید احمد اعجازؔ کامٹوی (مرحوم) نے اسے شاعری کا 'شاہکار' قرار دیا ہے۔

عنبرؔ خلیقی صاحب کی محترم ذات سے بہت قریب رہنے کی وجہ سے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ شخصیت قول وفعل کے تضاد سے مبرّا ہے۔

عنبرؔ صاحب کہتے ہیں:

عنبرؔ جو کہیں آپ وہی کرکے دکھائیں
کردار کی خوشبو ہو تو باتوں میں اثر ہو

عنبرؔ صاحب شعری فکر میں علامہ اقبالؔ سے اس قدر متاثر ہیں کہ اپنی پوری زندگی کو عملی طور پر ان کے شعری سانچے میں ڈھال دیا ہے اور علامہ اقبالؔ کے اس شعر کو اپنی زندگی کی مشعلِ راہ بنا لیا ہے:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

اس شعر کے مصداق ان کی پوری شخصیت عملی تفسیر بن گئی ہے۔ خدا پر یقین محکم اور توکل پر تلقین کے بے شمار نمونے ان کی اپنی شاعری میں ملیں گے۔

ایک سول انجینئر اور آرکیٹکٹ کی حیثیت سے عمارت کی تعمیر میں خصوصاً مساجد

اور مدرسے کی، ان کا انہماک اور مسلسل انتھک محنت، اور شعر و سخن میں ایک تسلسل کے ساتھ دینی فکر کی حامل کاوشیں پیش کرتے رہنا ان کے عمل پیہم کی شاہد ہیں اور محبت و شفقت کی تو اک مثال ہے۔ موصوف خود فرماتے ہیں:

نقیب ہوں میں خلوص و وفا محبت کا
مرے خیال سے ہم رشتہ سارا عالم ہے
محلّہ شہر نہ صوبہ نہ ملک کی سرحد
مرے وجود سے وابستہ سارا عالم ہے

ایک جگہ اور فرماتے ہیں:

انسان تو جہاں میں بڑی چیز ہے میاں
عنبرؔ حقیر شئے سے بھی نفرت نہیں مجھے

قرآن نے جب عظمت انساں کو بتایا
بھولے سے بھی انسان سے نفرت نہیں کرتے

ان کی شاعری انسانی قدروں کی امین ہے۔ موصوف نے جب ہندی، مراٹھی زبان کی شاعری میں قدم رکھا تو ان کی شاعری جو انسانی قدروں کی نمائندگی کرتی ہے اور سماج سے پر خلوص محبت کا جذبہ پیدا کرتی ہے تو اس نے غیر مسلموں میں غیر معمولی پذیرائی حاصل کی ہے۔

ہم اللہ کے بندے تو صرف اس شخصیت کو دعائے خیر ہی دے سکتے ہیں۔ جزائے تو ان کے اس کار خیر پر پروردگار عالم ہی دے گا۔

عنبؔر خلیقی کی شاعری کوئی لن ترانی نہیں بلکہ علم و آگہی و عرفان کا نچوڑ ہے اور انسانوں کے لئے سبق آموزی کے پہلو رکھتی ہے۔ اس پر غور وفکر اور تدبُّر بھی کیا جائے اور عملی قدروں میں بھی اس کو جگہ دی جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب 'احساس کا سفر' کو شرف قبولیت سے نوازے۔ (آمین)

رحمت اللہ راشدؔ احمد آبادی

تکیہ معصوم شاہ مومن پورہ' ناگپور۔۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعائے اولین

(سورۂ فاتحہ کی ترجمانی کے آئینہ میں)

شر کے دریا کو پاٹنے والے   خیر ہی خیر بانٹنے والے
ہے جو شیطان تیرا ٹھکرایا   شر سے اُس کے نکالنے والے
نام سے تیرے ابتدائے کلام   مہرباں رحم بانٹنے والے
ساری تعریف صرف تیری ہے   اے جہانوں کو پالنے والے
بیکراں رحم کا سمندر تو   رحمتوں کو اُچھالنے والے
راج تیرا ہی ہوگا عدل کے دن   حق کی میزان ڈھالنے والے
بندگی صرف تیری کرتے ہیں   ہم مدد تجھ سے مانگنے والے
سیدھا رحمت بھرا دکھا رستہ   نعمتیں اس میں ڈالنے والے
گمرہی سے غضب کے رستوں سے   حق پرستوں کو ٹالنے والے

امیراللہ عنبرؔ خلیقی

हाजी अंबर खलीकी

A. Amber Khaleequi

Qabrastan Road, Mominpura, Nagpur.
Mob. 94[redacted]5, 9371569267

AMBER ENTERPRISES

حمد باری تعالیٰ

نہ رنگ، روپ نہ ظاہر جمال تیرا ہے
مگر سجود میں، حسنِ خیال تیرا ہے

ذلیل کر یا جسے چاہے، آبرو دے دے
یہ انتظامِ عروج و زوال تیرا ہے

ترے کرم سے تصرف میں ہے ہمارے مگر
ہمیں یقین ہے سب جان و مال تیرا ہے

اسی کے شکر میں سجدہ گزار رہتا ہوں
مرے وجود میں حسنِ کمال تیرا ہے

ہماری راہ میں پیدا کی تونے آسانی
کوئی نہ راستہ ہم کو محال تیرا ہے

ہمارے قلب ونظر پر جو ہو گیا ہے محیط
وہ اعتماد! وہ رعب و جلال تیرا ہے

جو شاعری میں ہے حسن بیان عنبرؔ کا
یہی تو اس پہ کرم بے مثال تیرا ہے

جہان تیرا ہے یارب! زمانے تیرے ہیں
شجر حجر کے لبوں پر ترانے تیرے ہیں

ہے داغِ سجدہ مری کائنات تابندہ
جبیں ہے تیرے لئے' آستانے تیرے ہیں

یہ کائنات کی وسعت' یہ رفعتِ کونین
سبھی بنائے ہوئے کارخانے تیرے ہیں

جواہرات کی ضو میں صباحتِ گل میں
کہاں کہاں نہیں' پنہاں ٹھکانے تیرے ہیں

ترے کرم سے ہیں زندہ' تو ہی ہے رب سب کا
ہمارا رزق جو بنتے ہیں دانے تیرے ہیں

ہو تیز دھوپ سے عنبرؔ کو خوف کیوں مولیٰ
سروں پہ سایہ فگن شامیانے تیرے ہیں

مناجات

تو ہے مالک میں تیرا کارندہ
اپنی کوتاہیوں پہ شرمندہ

رحمتوں کا نزول آج بھی ہے
اور ہوتا رہے گا آئندہ

یوں تو ہر شے کا ہے نصیب فنا
ہے تری ذات صرف پائندہ

ہم کو پورا یقین ہے یا رب
روز محشر کرے گا پھر زندہ

تو چلائے اگر تو لَے پہ چلوں
میں ہوں اک ساز تو ہے سازندہ

تیرے فرماں بصورت قرآں
ذہن و دل پر رہیں گے تابندہ

دے دے عنبرؔ کو یہ سعادت بھی
کار حق کا بنے وہ کارندہ

تو ہی داتا ہے سب کا، تو دیدے
مجھ کو اخلاصِ دیں کی، بو دیدے

جس میں عرفانِ حق کی صہبا ہو
میرے ہاتھوں میں وہ صبوٗ دیدے

ولولے سرد میری ملت کے
اجتہاد و عمل کی خو دیدے

بجلیاں کوندیں جس سے غیرت کی
میری رگ رگ میں وہ لہو دیدے

مال و شہرت نہیں مری منزل
دونوں عالم میں آبرو دیدے

فصلِ اخلاص و صدق جس میں پھلے
میری مٹی کو وہ نمو دیدے

آرزوئیں انہیں مبارک ہوں
ذہنِ عنبر کو جستجو دیدے

اعتراف حق

وجود! اپنا
سبھی نعمتوں سے پر
مضبوط!
گواہ ہے
کہ ہے خالق کوئی ضرور اس کا
تمام ارض وسماوٰت کا جو مالک ہے
ہمارا علم!
سمجھ آگہی بھی شاہد ہیں
کہ کائنات!
ہے مبہوت جس کی عظمت سے
ہمارے علم و نظر اور فکر کی وسعت
بنائی رب نے کہ اپنا وجود پھولے پھلے
مگر یہ ظلم!
کہ ہم نے وجود کو اپنے
بہت سے ٹکڑوں میں بانٹا ہے تنگ نظری سے
خدا نے سونپی تھی ہم کو وراثتِ ارضی
کیا نہ شکر مگر

سرکشی کی راہ چلے
بھکاری بن گئے دردر کے اور ہوتے گئے
غلام نفس کے اور خواہشات کے بندے
خدا ہمارا ہے آقا یقیں رہا جب تک
تو سر براہ تھے ہم
اور سر فراز تھے ہم
اسے گمان بنایا
ذلیل و خوار ہوئے

ہمارے جیسے ہی انساں!
خدائے کل بن کر
ہمارے سر پہ مسلط ہوئے فریب و مکر کے ساتھ
یہی ہیں آج کے فرعون اور یہی نمرود

(ازل سے ابد تک کی داستان)
آسمانوں میں نور باقی ہے
اور زمیں پر فتور باقی ہے

کتنے آواز دے گئے آ کر
اور کس کا ظہور باقی ہے

آدمی اَب تجھے جگانے کو
صرف آواز صور باقی ہے

○

عظمت قرآنی

زماں، مکاں، سبھی قرآں کی داستان میں ہے
زمیں کا ذکر بھی ہے آسماں بیان میں ہے
وہ جس سے عظمت انسانیت اٹھان میں ہے
نہ جانے تذکرہ کتنا نبیؐ کی شان میں ہے
وہ جس کا ترجمہ دنیا کی ہر زبان میں ہے
وہ جس میں ذکر، کہ ہر نفس امتحان میں ہے
وہ جس کے دم سے ابھی آدمی امان میں ہے
ہزار شکر ہمارے وہ درمیان میں ہے
اسی کتاب کو پڑھ کر سمجھ میں آئے گا
ہر ایک مسئلہ قرآن کے بیان میں ہے
جو ٹھیک لگتا ہے جاکر نشانۂ دل پر
وہ تیر پند و نصیحت اسی کمان میں ہے
خدا کے ساتھ لیا جا رہا ہے نامِ نبیؐ
''پکار یہ تو'' موذّن کی ہر اذان میں ہے
نشانِ راہ بنے گا ہمارا نقش قدم
اگر نبی کی ہدایت ہمارے دھیان میں ہے
نتیجہ نکلے گا عنبرؔ ہماری موت کے بعد
ہماری ہستی ابھی دورِ امتحان میں ہے

○

تفہیم القرآنی کے آئینے میں

تعریف ہے سب اس کو زیبا
جو رب ہے سارے عالم کا
ہے ہم پہ کرم جس کا بے حد
انعام ہے جس کی رحمت کا
احسان کا اُس کے دنیا کو
احساس دلانے والے ہم

وہ مالک ہے اور آقا ہے
سارے سنسار کا داتا ہے
اک دن وہ کرے گا حشر بپا
قرآن میں یہ بتلاتا ہے
جس راہ پہ بخشش مل جائے
اُس راہ پہ جانے والے ہم
احسان کا اُس کے دنیا کو
احساس دلانے والے ہم

ہم تیری عبادت کرتے ہیں
تقویٰ ہے تجھی سے ڈرتے ہیں
ہر حاجت میں امداد و عطا
تجھ سے ہی طلب ہم کرتے ہیں
اس دور تباہی میں حق کا
پیغام سنانے والے ہم
احسان کا اس کے دنیا کو
احساس دلانے والے ہم

اب ہم کو وہ سیدھی راہ بتا
انعام و کرم ہوں جس میں عطا
جو تیرے غضب کی زد میں ہے
اس رہ سے خدایا ہم کو بچا
تیرے ہی طریقے پر اپنی
ہستی کو مٹانے والے ہم
احسان کا اُس کے دنیا کو
احساس دلانے والے ہم
احسان کا اس کے دنیا کو
احساس دلانے والے ہم

○

قرآن کی افادیت

کبھی یٰسین کبھی سورۂ رحمٰن پڑھو
رَب نے کر رکھا ہے قرآن کو آسان ! پڑھو
غور بھی اس پہ کرو اور رکھو دھیان! پڑھو
اس میں مذکور ہے انسان کی پہچان! پڑھو
اپنے ایمان میں لانے کے لئے جان! پڑھو
کتنے اللہ کے ہم پر ہوئے احسان! پڑھو
اپنے اللہ سے کیوں بنتے ہو انجان! پڑھو
اپنے نبیوں کی ہے تاریخ میں کیا شان! پڑھو
کون سے درجے پہ ہیں نبیوں کے سلطان! پڑھو
قصہ گوئی یہ نہیں یہ تو ہے برہان! پڑھو
اس میں ڈوبو گے تو پاجاؤ گے عرفان! پڑھو
ہر بھلائی کا اسی میں ملے سامان! پڑھو
حرف بخشش ہے یہی اس لئے قرآن! پڑھو
رب نے کر رکھا ہے قرآن کو آسان! پڑھو
کبھی یٰسین کبھی سورۂ رحمٰن پڑھو
روزِ محشر کی بنے ڈھال وہ قرآن! پڑھو

○

شعری مجموعہ

احساس کا سفر

امیر اللہ عنبر خلیقی

مرکز فلاح العلوم
قبرستان روڈ، مومن پورہ، ناگپور۔ ۴۴۰۰۱۸

گلستانِ دین کی داستان

تمہید کر رہا ہوں میں جس کے بیان کی
ہے داستان، دین کے اُس گلستان کی

ایمان کی ہوا سے مُعَطّر ہے یہ چمن
گل ہیں وضو کے اور نمازوں کے نسترن
روزے کی اور زکوٰۃ کی، خیرات کی پھبن
حج، عمرہ اور جہاد کے لالہ کی یہ تپن
پروائی اس میں چلتی صدائے اذان کی
ہے داستان، دین کے اُس گلستان کی

احسان اور خلوص کے پودے ہیں جابجا
اس میں مروتوں کے درختوں کا سلسلہ
ایثار کی ندی میں، اخوت کا بلبلہ
انسانیت کی جھیلیں تو غیرت کا راستہ
نکہت یہاں حدیثوں کے دلکش بیان کی
ہے داستان، دین کے اُس گلستان کی

رمضان میں نزول کا جب سلسلہ چلا
قرآن معجزہ بنا، سینوں میں آبسا
وعدہ خدا نے اس کی حفاظت کا خود کیا
ایک ایک حرف اس کا یوں محفوظ رہ گیا
کوئی کتاب آئی نہیں ایسی شان کی
ہے داستان، دین کے اُس گلستان کی

ایقان و معرفت کی ہیں روشن حکایتیں
اس میں ہیں منکرات کی بھاری رکاوٹیں
اِس میں خدا کا فضل و کرم اور عنایتیں
عنبر ہیں اس میں اپنے نبی کی سفارشیں
واری ہیں جن پہ رحمتیں دونوں جہان کی
ہے داستان' دین کے اُس گلستان کی

تکمیل کر رہا ہوں میں جس کے بیان کی
ہے داستان' دین کے اُس گلستان کی

○

دینِ حنیف

کس قدر شور ہے اب دین کے ایوانوں میں
شور اتنا تو نہیں ہوتا صنم خانوں میں
حرف قرآن بتائیں' ہو عبادت خاموش
اور حدیثیں کہیں' ہو زہد و ریاضت خاموش
صدقہ خیرات کی ہو' ساری عنایت خاموش
اس طرح جب ہے مرے دین کی عادت خاموش
شور و ہنگام کی کیوں رسم ہے دیوانوں میں
کس قدر شور ہے اب دین کے ایوانوں میں
شور اتنا تو نہیں ہوتا صنم خانوں میں
ہو''نہی'' بات تو پھر اُس سے بچیں ہم چپ چاپ
اور''معروف'' کو کرتے ہی رہیں ہم چپ چاپ
گردش وقت اگر ہو تو سہیں ہم چپ چاپ
دین کی فکر کے دریا میں بہیں ہم چپ چاپ
تاکہ ہم لوگوں کی گنتی رہے فرزانوں میں
کس قدر شور ہے اب دین کے ایوانوں میں
شور اتنا تو نہیں ہوتا صنم خانوں میں

اے خدا! تو ہی دے عنبرؔ کو یقیں کا عالم
تیری وحدت کے ہی گن گاتا رہے وہ پیہم
حق نہ چھوڑے وہ کبھی، چاہے جہاں ہو برہم
بندگی میں تو نہ ہو شور، رہے وہ مدھم

شمع "توحید" منور رہے پروانوں میں
کس قدر شور ہے اب دین کے ایوانوں میں
شور اتنا تو نہیں ہوتا صنم خانوں میں

○

تذکرۂ مقامِ مصطفٰیؐ

(تضمین)

وہ بصیرت، جو کبھی لائے تھے، حضرت آدمؑ
دور گزرے، تو وہ ہوتی گئی، بالکل مدھم
پوچھو مت، دورِ خرابات کا کیا تھا عالم
شرک و الحاد کا ہر سمت تھا چھایا موسم
بے حیائی کا چلن عام، تماشہ ہر دم

درِ ہدایت کا کھلا کس نے کہا تھا سم سم
کس کی رحمت کا کرم سب پہ مسلسل پیہم
کفر اور شرک کی صف ہو گئی درہم برہم
اور باطل کے بھی ایوانوں پہ چھایا ماتم

آج امت پہ سبھی سمت سے ضرب پیہم
ہائے وہ دور رہا کوئی نہیں اب ہمدم
زخمِ امت پہ لگے یادِ نبیؐ ہے مرہم

اے نبیؐ! تیری عنایات کا عالم کیا کم
یہ ترا اسمِ گرامی ہے کہ اسمِ اعظم
لکھ دیا جائے تو کاغذ کا مقدر چمکے

لکھ دیا جائے تو کاغذ کا مقدر چمکے !

○

مصطفائی

اک جگہ!
ایمان لانے کے بجائے
اہلِ شر اور مبتلائے کفر نے
دعوتِ حق دینے والے کا اڑایا مضحکہ
اور پھر ظلم و ستم کے واسطے
ہاتھ میں بچوں کے پتھر دے دیئے
سنگ باری کا نتیجہ یہ ہوا
خون پیشانی سے ایڑی تک بہا
جسمِ اطہر درد و غم سہتا رہا
دیکھ کر یہ حالِ زار مصطفٰےؐ
کوہساروں کے فرشتے نے کہا
حکم دیں تو میں ملا دوں سب پہاڑ
پس کے رہ جائیں یہیں
اور دفن ہو جائیں یہیں
مصطفٰےؐ کی مصطفائی اور کرم ظاہر ہوا
اور رحمت نے کہا
ظلم کرنے والے، نادان ہیں نہیں کچھ جانتے
اپنی غفلت میں نہیں کچھ مانتے
لیکن اک دن آئے گا، ان کی نسلیں لے کے ایماں کا دیا
ظلمتوں کو روشنی دیں گی کبھی، ساری دنیا کو خوشی دیں گی کبھی

○

عظیم قربانی

بنام حکم الٰہی
بتوں کو توڑا تھا
خود اپنے ہاتھوں جناب خلیل نے جس دم
تھے دم بخود علماء کفر اور باطل کے
سبھوں کا فتویٰ تھا اجتماع نفس کی صورت
کچھ اقتدار کی مرضی بھی اس میں شامل تھی
ہمارے دین کی ہٹ دھرمیوں کا منکر ہے
لہٰذا!
آگ میں نمرودیت کی جھونکوا سے
مگر!
نہ ماتھے پہ اس کے کوئی شکن آئی
نہ لب پہ تھی کوئی فریاد اور نہ واویلا
ثبات وشکر کا یہ بے مثال اک مینار
عزیمتوں کا ہمالہ
نتیجہ جن کا یہ تاریخ میں ہوا محفوظ
خدا کے حکم سے وہ آگ بن گئی گلزار
اسے جلا نہ سکی
آنچ اس پہ آ نہ سکی
بنام حکم الٰہی!
وہ کر گئے ہجرت
نکل کے اپنے وطن سے جہاں قیام کیا

خدا کا کام کیا
ضعیف عمری میں فضل خدا ہوا ان پر
عطا ہوا انہیں فرزند
صابر و شاکر!

بنامِ حکم الٰہی!
یوں آزمائے گئے
خدا کے حکم سے ہی
اب عیال کو اپنے وہ چھوڑ آئے
بیابان پر خطر میں جہاں
نہ دانہ پانی تھا اور نہ عافیت کا نشاں
وہیں پہ دستِ خدائی نے دستگیری کی
وہیں پہ مل گیا سامانِ عافیت ان کو
انہیں کے گرد بسا دی گئی نئی بستی
سہارے پانی کے
جو معجزہ رب کا!

بنام حکم الٰہی!
وہ لوٹ کر آئے
خدا کا حکم ہوا!
اُس کے گھر کی ہو تعمیر
اور اس کے حج کا بھی اعلان کر دیا جائے
کہا کہ چھوٹی ہے آواز اور بڑی دنیا
جواب آیا کہ اعلان تم زبان سے کرو
ہمارا کام ہے سارے جہاں میں پہنچانا!

بنام حکم الٰہی!
اشارہ پایا جب
کہا یہ بیٹے سے میں نے یہ خواب دیکھا ہے
کہ اپنے ہاتھوں سے تجھ کو میں ذبح کرتا ہوں
خدارا تم یہ بتاؤ تمہارا کیا ہے خیال
سنا جو ماجرا بیٹے نے باپ سے یہ کہا
خدا کا حکم ہے، لازم ہے آپ پورا کریں
اسی کے واسطے آنکھوں پہ باندھ کر پٹی
گلے پہ بیٹے کے پھر آپ نے چھری پھیری
مگر!
بہ حکم خدا ذبح ہو گیا دُنبہ
صدا یہ آئی ہمارا یہ حکم پورا ہوا
یہ سب بنام الٰہی ہوا مگر لوگو!
یہی ہے دنیا کی سب سے عظیم قربانی
قبول ہو گئی جو بارگاہ عالی میں
اسی کے بدلے میں اللہ کا یہ فضل ہوا
''وہ'' پیشوا ہوئے دنیا کی ساری قوموں کے

بنام حکم الٰہی!
اسی کی یاد میں اب
ہر ایک سال کہ جب حج کا وقت آتا ہے
تمام دنیا میں کرتے ہیں لوگ قربانی

○

نعتیہ غزل

ہوں حسناتِ نبوی کی قدروں کا حامل، تو کیوں ہوں مری کامرانی میں آنسو
خدا کے توکل پہ ایمان میرا، نہیں ہیں، مری زندگانی میں آنسو

نبی نے احد کی صدا جو لگائی، تو کتنا ستایا، انہیں ظالموں نے
ستم کی کہانی جو لکھنے کو بیٹھا تو پایا قلم کی روانی میں آنسو

عجب ڈھنگ سے ڈھول تاشے بجا کر، محبت کے دعوے ہمیں کر رہے ہیں
اگر ہم مُقرّب ہیں نامِ نبی کے تو، کیوں ہیں ہماری کہانی میں آنسو

یہ ارشادِ نبوی، سبھی مومنوں سے، کہ پائے وہی سرفرازی کا درجہ
عبادت، ریاضت کے جذبوں کو لے کر، بہیں گے اگر نوجوانی میں آنسو

نکلتے اگر ہیں وہ حب نبی میں، تو قیمت لگے گی، انہیں آنسوؤں کی
یہاں فائدہ اس سے کوئی نہیں ہے جو نکلے اگر سرگرانی میں آنسو

مرے آقا، امت نفاقوں کی زد میں، گلا حق پرستوں کا جکڑے ہوئے ہے
اسی میں تو امن وسکوں بہہ گیا ہے نکل آئے جو کھینچا تانی میں آنسو

سال طباعت

۲۰۰۶ء

قیمت: ۱۰۰/روپے

ناشر

مرکز فلاح العلوم، ناگپور

ملنے کے پتے

★ مرکز فلاح العلوم، قبرستان روڈ، مومن پورہ، ناگپور۔۴۴۰۰۱۸

★ الحاج امیر اللہ عنبر خلیقی، قبرستان روڈ، مومن پورہ، ناگپور۔۴۴۰۰۱۸

★ ماہنامہ پیش رفت، ۲۷۰۳، بارہ دری، بلیماران، دہلی۔۱۱۰۰۰۶

کمپوزنگ وسرِورق: شاہکار آرٹس، دہلی فون : 9810686944

مطبوعہ: اصیلہ آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی۔۲

مرے ذرے ذرے میں نام نبی سے، خوشی کے دمک جاتے ہیں ماہ و انجم
میں نعتِ پیمبر جو اب لکھ رہا ہوں، نکل آئے ہیں شادمانی میں آنسو

ہے رقت اگر قلبِ محزوں میں عنبرؔ تو آنسو محبت کے جذبوں سے نکلیں
یہ شعلہ بیاں جانتے ہی نہیں ہیں، کہاں نکلیں زورِ بیانی میں آنسو

○

نعت

طلب رہ نبی سے جو بھرے ہر ایک سینہ
بنے زندگی سلیقہ رہے زندگی قرینہ

یہ شعور دے گئے ہیں ہمیں رہبر مدینہ
کبھے آہ صبح گاہی کبھے بندگی شبینہ

ہو شعار زندگانی تو حیات جاودانی
رہِ حق میں جان دینا' رہِ مصطفٰے میں جینا

یہی حکم مجتبٰی ہے بھلے اپنی جان جائے
کبھی ٹوٹنے نہ پائے کسی دل کا آبگینہ

سوئے مصطفٰے مسافر جو چلا تو خوف کیسا
یہ سمجھ کہ ڈوب کر بھی ترا پار ہے سفینہ

مری روح جگمگائے اسی روشنی سے عنؔبر
جو عطا کیا گیا ہے ہمیں دین کا نگینہ

○

رسالت اور بندہ

دنیا فریب کفر میں، جب ہو گئی تھی مبتلا
اور شرک کی لپیٹ میں آتا گیا یہ سلسلہ

اک منتخب وجود کو فضلِ خدا نے چن لیا
حق کو جتانے کے لئے، قرآں اُسے عطا ہوا

اُس محترم وجود سے، اُس ذاتِ حق کے ہاتھ سے
ایمان اور یقیں کا، دنیا میں اک دیا جلا

آندھی چلی تھی ظلم کی، جھکڑ ستم کے بھی چلے
طوفاں سی تھی مخالفت، پھر بھی دیا نہیں بجھا

سہہ کر کئی صعوبتیں اور جھیل کر مصیبتیں
ایماں کا وہ چراغ ہی کتنے دئے جلا گیا

قرآں کی آیتوں میں ہیں روشن سبھی ہدایتیں
ہم کتنے خوش نصیب ہیں ہم تک وہ نور آ گیا

عنبرؔ مقام شکر ہے ایماں ہمارے ساتھ ہے
حسنِ عمل سے ہم اُسے لے کر چلیں سوئے قضا

○

حمدیہ، نعتیہ اور پیام

رحمتِ کبریا کبریائی کرے — راہ حُرمت کی وہ رہنمائی کرے
رہنمائی کا فیضان اعلیٰ ہے یہ — فطرتِ مصطفےٰ مصطفائی کرے
مصطفائی تکلم میں ہے جلوہ گر — وہ تکلم عطا پارسائی کرے
پارسائی ہے دراصل طاعت کا نام — اک تجارت کہ مومن کمائی کرے
ہے کمائی یہ دراصل آب حیات — گلشن زیست کی جو سنچائی کرے
اس سنچائی سے ملت کا گلشن کھلے — اور یہ پھل پائے فرماں روائی کرے
یعنی فرماں روائی ہے فیضان اک — مصطفائی کا جو پارسائی کرے
پارسائی ہے جب فطرت مصطفےٰ — کب یہ چاہے کہ انساں برائی کرے
جو برائی کی اپنائے کوئی روش — مصطفائی سے وہ بے وفائی کرے
بے وفائی کا حاصل یہ ہوگا عذاب — اپنے ہی نام کی جگ ہنسائی کرے
جگ ہنسائی سے عنبرؔ جو چاہے نجات — بن کے مومن جہاں میں بھلائی کرے

فطرت تخلیق کا اک مظہر اعلیٰ مقام
رحمت اللعالمیں اور سرور خیرالانام

○

بارگاہ رسالت میں

گھٹ چلا سینوں میں ایمان، رسول عربیؐ
گمرہی اب ہوئی بلوان، رسول عربیؐ

پیٹ کر ڈھول، اچھل کود مچانے والے
خود کو کہتے ہیں مسلمان، رسول عربیؐ

زندگی سے نہ رہا اس کا تعلق کوئی
آپ لائے تھے جو قرآن رسولِ عربیؐ

شیوہ ہے حسن عمل، رشد و ہدایت جن کا
کفر کا ان پہ ہے بہتان، رسول عربیؐ

سلسلہ ہائے طریقت کے پس پردہ اٹھے
دین میں شرک کے طوفان رسول عربیؐ

محو دنیا میں ہوا آج مسلماں اتنا
آخرت پر نہ رہا دھیان رسولِ عربیؐ

چاہے عنبرؔ کو نہ دنیا سے کوئی فیض ملے
بس سلامت رہے ایمان رسول عربیؐ

○

ترجمان

(نعتیہ نظم)

ہم انسانوں پہ اپنی مہربانی کرنے آئے ہیں
وہ فرمانِ خدا کی ترجمانی کرنے آئے ہیں

سبھی ہیں مبتلائے کفر جس سنگیں زمانے میں
ہوا کرتا ہے ذکرِ شرک جن کے ہر فسانے میں
انہیں تاریکیوں میں اب رہ روشن دکھانے میں
ہدایت وہ عمل سے اور زبانی کرنے آئے ہیں

ہم انسانوں پہ اپنی مہربانی کرنے آئے ہیں
وہ فرمانِ خدا کی ترجمانی کرنے آئے ہیں

ہدایت سے، نصیحت سے، امامت سے، رسالت سے
شرافت سے، نظامت سے، عبادت سے، قیادت سے
صداقت کی کرامت سے، شفاعت کی عنایت سے
ہماری زندگی کو جاودانی کرنے آئے ہیں

ہم انسانوں پہ اپنی مہربانی کرنے آئے ہیں
وہ فرمانِ خدا کی ترجمانی کرنے آئے ہیں

وہ جس کی آڑ میں شیطان اپنا منہ چھپاتا ہے
وہ جس کے سائے میں انساں ہوس کے گیت گاتا ہے
وہ جس کے زور پر انسان، انساں کو ستاتا ہے
اُسی فولادِ گمراہی کو پانی کرنے آئے ہیں

ہم انسانوں پہ اپنی مہربانی کرنے آئے ہیں
وہ فرمانِ خدا کی ترجمانی کرنے آئے ہیں

ہدایت کے لئے آئے رسول و انبیاء اکثر
یقیں کی راہ کے قائد وہ تھے ایمان کے رہبر
ہدایت کی مسلسل داستاں چلتی رہی عنبر
نبوت کی مکمل وہ کہانی کرنے آئے ہیں
ہم انسانوں پہ اپنی مہربانی کرنے آئے ہیں
وہ فرمانِ خدا کی ترجمانی کرنے آئے ہیں

○

صلو علیہ و آلہ

(عربی زبان میں کہے گئے درج ذیل نعت کے مصرعوں کی اہمیت اور منفرد انداز بیان کی وجہ سے پہلے ان کے آہنگ پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔اس کے بعد ان کی معنویت کے مطابق ان کے قریب کے آہنگ میں تضمین کی گئی ہے۔)

بلغ العلیٰ بکمالہٖ   ہیں کرم نبی کے نرالے ہی
کشف الدجیٰ بجمالہٖ   مری زندگی میں اجالے ہی
حسنت جمیع خصالہٖ   جو یہ دل نبی کا مطیع ہے
صلو علیہ و آلہٖ   تو یہ جاں خدا کے حوالے ہی

رہیں ظلم وجور کی ساعتیں   نہ تھا خوف اور نہ خدا کا ڈر
جہاں چاروں سمت تھیں ظلمتیں   رہ بے حیائی میں تھا سفر
تو اتر کے آئیں ہدایتیں   جہاں کفر و شرک کا تھا گذر
جو قبول کی یہ صداقتیں   وہیں بن رہا تھا یقیں کا گھر
نہیں ہاتھ آتی تھیں راحتیں   جو ہداتیوں کی ہوئی سحر
وہ صحابہ کی تھیں جماعتیں   چڑھا نور بام عروج پر
تھیں دلوں میں پلتی اخوتیں   تھا وقار جینے کا اک ہنر
یہ تجارتوں کی دیانتیں   جہاں ان کے فیض کی تھی نظر
رہیں عادلانہ سخاوتیں   وہاں نور، نور تھا سر بسر
رکھیں لوگ لا کے امانتیں   ملا نور آپ کے نام پر
یہ عروج پاتے کمال ہی   تھا وہ نور، نور جمال ہی
جنہیں چھو سکے نہ زوال ہی   بُرا ظلمتوں کا تھا حال ہی
بلغ العلیٰ بکمالہٖ   کشف الدجیٰ بجمالہٖ

یہ صحابہ کا ہی عمل رہا — وہ نبی کی ذات ہے محترم
سدا رب کی چاہ تھی اور رضا — اُٹھے اُن کی شان میں کیا قلم
جنہیں آخرت کا ہی شوق تھا — نہیں دیتے تھے وہ کوئی الم
کہاں دیکھا دنیا کا فائدہ — وہ سہا کئے تھے ہر اک ستم
وہ لئے پھرے دلِ مبتلا — جو مثال جود و سخا کرم
رہا دل میں خوفِ خدا بسا — وہ یقیں میں جب ہوئے آ کے ضم
رہا ساتھ دیں کا ہی سلسلہ — رہا کب یقیں میں کوئی سقم
جو کہا ہمیشہ بجا کہا — بڑھا زور دین کا دم بہ دم
انہیں رحمتوں سے ہی واسطہ — بھرا خیر حق سے ہی یہ حرم
اٹھے ہاتھ جب تو پئے سخا — جو نبی کے بیت کے ہیں بھرم
تھے حسین تر یہ خصال ہی — ہوں نظر میں ان کے یہ آل ہی
یہ جمال آراء کمال ہی — تو درود کا ہو وصال ہی
حسنت جمیع خصالہٖ — صلو علیہ و آلہٖ

○

پیغام

سرکار دو جہاں کے تو نقش قدم پہ آ
پیغامِ رب لئے ہوئے، سارے جہاں پہ چھا

احکام لے خدا سے، تو اُسوہ رسول سے
حبِّ نبی میں جی، رہ مولیٰ میں جان دے
آجائیں زندگانی میں حالات جب بُرے
طے کر خوشی سے صبر و قناعت کے مرحلے

دامن نہ اپنا جہد و مشقت سے تو بچا
سرکارِ دو جہاں کے تو نقش قدم پہ آ

اب ہیں جہاں میں قہر نمائی کے سلسلے
پھیلے ہر ایک سو ہیں برائی کے سلسلے
مفقود ہو گئے ہیں بھلائی کے سلسلے
کس طرح پھیلیں دین خدائی کے سلسلے

کر فکر اور سر پہ عزیمت کا بار اٹھا
سرکارِ دو جہاں کے تو نقش قدم پہ آ

پیدا کئے دلوں میں تعلّی نے فاصلے
ہیں سرد اتفاق و اخوت کے ولولے
جب رنج و اختلاف کے کچھ زخم بھر چلے
لے آئے مولوی کئی منطق کے زلزلے

اب تجھ کو سوچنا ہے ترا فرض ہوگا کیا؟

فہرست

عرضِ حال	۵	خلفائے راشدین	۴۸
احوالِ واقعی	۹	شانِ عمرؓ	۴۹
دعائے اولین	۱۶	شہادت عظمٰی	۵۰
حمد باری تعالیٰ	۱۷	داستانِ حسینؓ	۵۲
مناجات	۱۹	نماز	۵۳
اعترافِ حق	۲۱	میں اور وہ	۵۴
عظمتِ قرآنی	۲۳	پرچم آزادی اور مسلمان	۵۵
تفہیم القرآنی کے آئینے میں	۲۴	آگ	۵۷
قرآن کی افادیت	۲۶	زندگی	۵۹
گلستانِ دین کی داستان	۲۷	آزادوطن کے قیدی	۶۰
دینِ حنیف	۲۹	برق گرتی ہے تو	۶۲
تذکرۂ مقامِ مصطفےٰ	۳۱	مسلمان	۶۳
مصطفائی	۳۲	کردارِ مسلم	۶۵
عظیم قربانی	۳۳	مسلمان کا المیہ	۶۷
نعتیہ غزل	۳۶	واپسی	۶۹
نعت	۳۸	جائزہ	۷۰
رسالت اور بندہ	۳۹	حقیقت	۷۱
حمدیہ، نعتیہ اور پیام	۴۰	آرزو	۷۲
بارگاہِ رسالت میں	۴۱	یقین	۷۳
ترجمان	۴۲	کاوش	۷۴
صلوعلیہ وآلہ	۴۴	غزلیات	۷۸
پیغام	۴۶		

عالم تمام حیلہ و رخصت میں کھو گئے
کانٹے وہ دین حق کے گلستاں میں بو گئے
گفتار غازیانہ ہے کردار سو گئے
راہ خدا کے مرحلے پیچیدہ ہو گئے
سیدھی ہے راہ دین کی اپنے قدم بڑھا
سرکار دو جہاں کے تو نقش قدم پہ آ
کیوں ہارتا ہے آج مسلمان حوصلے
شاہیں تلاش کرتا ہے کرگس کے راستے
دُنیا کو کیا ثبات کہ دُنیا کی سوچئے
اپنے ہی واسطے جئے عنبر تو کیا جئے
جو کام آئے سب کے وہی کام کر دکھا
سرکار دو جہاں کے تو نقش قدم پہ آ
کیا چیز یہ جہان ہے سارے جہاں پہ چھا

○

خلفائے راشدین

تمثیل رفاقت ہیں، صداقت کی ادا ہیں
اصحاب رسالت میں، وہ یوں جلوہ نما ہیں
وہ عشق رسالت کہ نہ کی جان کی پرواہ
''بوبکرؓ'' جنہیں کہتے میں تصویر وفا ہیں

انصاف کے پیکر ہیں، مروت ہیں، وفا ہیں
اسلام کے کردار کی پائندہ انا ہیں
تاراج کیا قیصر و کسریٰ کے بھرم کو
''فاروق'' حقیقت میں رسالت کی دعا ہیں

اللہ کا انعام ہیں، مولیٰ کی رضا ہیں
غیرت کی، حمیّت کی چمکدار ضیا ہیں
اللہ کے انعام کو بندوں میں لٹایا
''عثمان غنیؓ'' آپ ہی بنیاد سخا ہیں

دشمن کے لئے خوف ہیں گرداب بلا ہیں
ہیں علم کا دروازہ تو شمشیر دوتا ہیں
کتنا بھی کوئی دشمن دیں زور لگائے
مغلوب نہیں ہوں گے ''علیؓ'' شیر خدا ہیں

عنبرؔ کے لئے چاروں خلیفہ ہیں معزز
راشد ہیں سبھی خالقِ عالم کی رضا ہیں

○

شانِ عمرؓ

سیم و زر و جواہر و لعل و گہر کہاں
شانِ عمرؓ کہ سوئے تو رکھا ہے سر کہاں

قائد کی رہ گزر ہے کہاں اور گزر کہاں
مجلس سے ہے خطاب مگر ہے نظر کہاں

کردار یہ نہ ہو تو کوئی معتبر کہاں
انصاف ہے نظر میں خیال پسر کہاں

وہ دبدبہ کہ قیصر و کسریٰ تھے سرنگوں
دنیا ہے تیرے پاس جوابِ عمرؓ کہاں

دریائے نیل مظہر قدرت جسے کہیں
جاتا ہے خط عمرؓ کا لئے نامہ بر کہاں

ایران و روم اڑتے تھے بام عروج پر
فاروقیت نے ان کے تراشے ہیں پر کہاں

عنبرؔ بیاں عقیدت و الفت کا ہے فقط
مدحِ عمرؓ بیان ہو اتنا ہنر کہاں

○

شہادتِ عظمیٰ

اک دفعہ!
''جھوٹ'' نے ''سچ'' سے یہ کہا
میں خلیفہ بھی ہوں
حاکم بھی ہوں
آمر بھی ہوں
ہے بڑا لشکر جرار مرے زیر نگیں
ساز و سامان سے لیس
اس لئے!
ہے یہ لازم تو مری طاعت کر
کر کے بیعت تو مرے ہاتھوں پر
کرلے اقرار کہ
میں حق پر ہوں
سچ نے انکار کیا
اور کرلیا انگیز
ظلم کی حد میں گرفتار بلا ہو جانا
دھوپ کی حد سے بڑھی حدّت میں
بھوک اور پیاس کی شدت میں بھی
اپنے کنبے کے ہر اک مرد کی قربانی دی
اور پھر!
وار دی خود جانِ عزیز

جیت کر مورچہ وقت ہنوز
~~"جھوٹ کہ جیتا کیسے" حیراں ہے~~ جھوٹ حیراں ہے کہ جیتا کیسے؟
"سچ" کہ ہوکر بھی تہہ تیغ شہید
آج بھی زندہ و پائندہ ہے
آج بھی زندہ و پائندہ ہے

سر ہی کٹ جانے دو ہے فیصلہ وقت یہی
ہاتھ کٹ جائیں تو تلوار اٹھے گی کیسے

سر تو جھک جائیں گے اخلاق کی پابندی سے
اور غیور نظر ہے تو جھکے گی کیسے

○

داستانِ حسینؓ

حسین ! چل تو پڑے اور راہ طولانی
حسین ! جن کی طرف بڑھ رہی تھی شیطانی
حسین ! جن کے تھے اپنے ہی دشمن جانی
حسین ! کے لئے بڑھتی گئی پریشانی
حسین ! اور یزیدی صفوں کی نادانی
حسین ! اور ستم در ستم تھے طوفانی
حسین ! پیاسے تھے اور اُن پہ بند تھا پانی
حسین ! نے یہاں تائید حق کی ہی ٹھانی
حسین ! تھے کہ شجاعت کی ایک جولانی
حسین ! بن گئے طاغوت کی پریشانی
حسین ! دے ہی گئے بے مثال قربانی
حسین ! نے ہی بڑھایا وقار انسانی
حسین ! عامل بین السطورِ قرآنی
حسین ! باعث ترویج نور ایمانی
اصولِ دین ہی اُن کی نظر میں تھا عنبر
حسین ! نے کبھی چاہی نہیں تھی آسانی
حسین ! نے کبھی مانگی نہیں تھی سلطانی

○

نماز

نماز! آ تجھے ہمدم بتاؤں میں کیا ہے؟
نماز! نور ہے، ایمان کا تقاضہ ہے
نماز! ہوتی ہے معراج ایک مومن کی
نماز! بندے کا اس کے خدا سے رشتہ ہے
نماز! ہم کو بچاتی ہے بے حیائی سے
نماز! پڑھ کے برائی سے بندہ بچتا ہے
نماز! ہوتی ہے قائم تو دین بھی قائم
نماز! چھوڑنے والا ہی دیں کو ڈھاتا ہے
نماز! ایک علامت ہے زندگانی کی
نماز! صرف صداقت کا ایک تحفہ ہے
نماز! باعث تسکینِ دل سکونِ روح
نماز! عشقِ الٰہی میں بندہ پڑھتا ہے
نماز! کرتی ہے آزاد حُبِ دنیا سے
نماز! چھوڑ کے انساں جہاں میں پھنستا ہے
صدا اذان کی سن کر نماز پڑھ عنبر
حساب ہوگا تو روئے گا آج ہنستا ہے

○

میں اور وہ

''میں''عمل جستجو!
''وہ''فقط آرزو!
کاٹ کر میں پہاڑوں کو نہریں بناتا رہا
اور گھس کر چٹانوں میں بھی
میں سرنگیں بناتا رہا رات دن
اور سرنگوں میں پھر ڈال کر ریل کی پٹریاں
راہ کو مختصر تر بناتا رہا
اور ''وہ''!
صرف بیٹھا ہوا تخت پر
شاد ہوتا رہا
''وہ''فقط آرزو
''وہ''فقط آرزو

○

پرچم آزادی اور مسلمان

لہراتا ہے دیش میں اپنے آزادی کا پرچم
اس کی خاطر جان لڑائی جس نے وہ ہی تھے ہم
آزادی کا دیش میں ہم نے پہلا لگایا نعرہ
''ٹیپو'' بن کر انگریزوں کو ہم نے ہی للکارا
بن کے ''سراج الدولہ'' موڑی ہم نے وقت کی دھارا
''شاہ ظفر'' بن آزادی پر اپنا سب کچھ وارا
توپوں اور بندوقوں کی ہم ہی سنتے تھے سرگم
جس کے نتیجے میں لہرایا آزادی کا پرچم
''انصاری'' وارا ناسی سے کرتے تھے اگوائی
دانشمندی سے لڑتے تھے جو وہ تھے قدوائی
''مولانا آزاد'' کی تحریروں نے راہ دکھائی
''علی برادر'' لندن جا کر بھی کرتے تھے لڑائی
ان کو ڈرا نہ پائی گولی یا انگریزوں کے بم
جس کے نتیجے میں لہرایا آزادی کا پرچم
آزادی کا مطلب کیا ہے ''حالی'' نے سمجھایا
''علامہ اقبال'' نے دیش کا امر ترانہ گایا
''جوش، مجاز'' کے نغموں سے تھا جوش دلوں میں چھایا
اور ''مخدوم'' کی نظموں نے دیوانوں کو اکسایا

ان نغموں سے رہتا تھا انگریز کا پارہ برہم
جس کے نتیجے میں لہرایا آزادی کا پرچم

ہندو کا سوراج نہیں سوراج ہے ہندوستانی کا
یعنی حاصل ہے یہ سارے لوگوں کی قربانی کا
یہ تو پورا سپنا ہے آزادی کے سینانی کا
اور وطن ہے ہم سب کا مت سوچو اس کی ہانی کا

عنبرؔ اس کی ہر سرحد پر جان لگا دیں گے ہم
اپنے وطن میں لہرایا ہے آزادی کا پرچم
اس کی خاطر جان لڑائی جس نے وہ ہی تھے ہم

○

اِنتساب

میں اس شعری مجموعہ ''احساس کا سفر'' کو

اپنے مرحوم والدِ بزرگوار حضرت حاجی خیر اللہ خلیقؔ

کے نام منسوب کرتا ہوں، جن کی دیندارانہ تعلیم و

تربیت سے مجھے دین کا شعور، سخنورانہ محبت سے

شعر کا شعور اور دُنیا دارانہ کدوکاوش سے انجینئرنگ

جیسا کارآمد علم اور آرکیٹکٹ جیسا باعظمت ہُنر ملا۔

—امیر اللہ عنبرؔ خلیقی

آگ

(بھاگلپور، بہار کے ۱۹۹۲ء کے فساد کے پس منظر میں)

کچھ یہاں جل گیا کچھ وہاں جل گیا
ہر عیاں جل گیا ہر نہاں جل گیا
سب کنارے جلے درمیاں جل گیا
راہرو جل گئے کارواں جل گیا
سب مکیں جل گئے جب مکاں جل گیا
کیا قوی اور کیا ناتواں جل گیا
بچے بوڑھے جلے اور جواں جل گیا
باغباں جل گیا' پاسباں جل گیا
تنکا تنکا جلا آشیاں جل گیا
آگ نفرت تعصب کی ایسی لگی
خوں سے سینچا ہوا گلستاں جل گیا

اتنی آتش مزاجی کے حامل تھے وہ
اک جگہ جب ہوئے تو سماں جل گیا

آتش بیکراں میں اُچھالا جسے
وہ تو محفوظ تھا وہ کہاں جل گیا

ظلمتیں یاس کی سب سمٹنے لگیں
آس کا اک دیا بھی جہاں جل گیا

ایسا طبقہ بھی اک ہے مرے شہر میں
سن کے عنبرؔ صدائے اذاں جل گیا

○

زِندگی

سوال در سوال کی صورت میں

زندگی تو ہی بتا' تو مری کیا لگتی ہے ؟
ایک آسودہ تبسم کہ بلا لگتی ہے ؟
یا مرے جملہ گناہوں کی سزا لگتی ہے ؟
یا کوئی سلسلۂ جُرم و خطا لگتی ہے ؟
یا کسی بگڑے مقدر کا لکھا لگتی ہے ؟
یا مرے حرفِ ندامت کی دعا لگتی ہے ؟
یا کوئی راز خودی یا تو انا لگتی ہے ؟
یا کسی راز نہانی کا سرا لگتی ہے ؟
یا کسی لطف و لطافت کی عطا لگتی ہے ؟
یا کسی بارگراں سے بھی سوا لگتی ہے ؟
یا کسی فتنۂ دلکش کی ادا لگتی ہے ؟
یا کسی شرمِ نگاہی کی حیا لگتی ہے ؟
یا کوئی منصب و انعام و صلہ لگتی ہے ؟
یا کوئی شکوہ شکایت کہ گلہ لگتی ہے ؟
یا کہ اک جام مسرت سے بھرا لگتی ہے ؟

جو بھی تو لگتی ہے وہ جلد بتا دے آکر
ورنہ سمجھوں گا کہ تو مجھ سے خفا لگتی ہے

حق سے انکار کا انجام غلط ہے عنبرؔ
مان لو بات اگر تم کو بجا لگتی ہے

آزاد وطن کے قیدی

آزاد قلم ہے یہاں تلوار بھی آزاد
دستور بھی آزاد ہے دستار بھی آزاد
کب کوئی زبان بند ہے گفتار بھی آزاد
بیڑی نہیں پیروں میں، ہے رفتار بھی آزاد
پائل بھی نہیں قید، ہے جھنکار بھی آزاد
بچپن کا، جوانی کا ہے بیوپار بھی آزاد
آزاد تجارت ہے تو زردار بھی آزاد
راکب بھی نہیں قید، ہے رہوار بھی آزاد
دہشت کا اور آتنک کا ہر وار بھی آزاد
خنجر بھی کھلے ہیں یہاں اور مار بھی آزاد
آزاد عدالت ہے تو دربار بھی آزاد
ہر بات کھلی ہے یہاں اسرار بھی آزاد
جنتا بھی ہے آزاد تو سرکار بھی آزاد
اس طرح کہ رشوت کا ہے بازار بھی آزاد

حالانکہ نہیں لگتا کہ ہم صید یہاں ہیں
پنجرہ نہ سلاخیں ہیں مگر قید یہاں ہیں

بیکاری و مایوسی کے احساس ہیں گہرے
بیماری اور افلاس سے مرجھائے ہیں چہرے

ہر گام لگے خوف کہ دہشت کے ہیں پہرے
مہنگائی کی رو تیز جہاں پاؤں نہ ٹھہرے
نفرت کی ہیں دیواریں تعصب کے کٹہرے
لیڈر جو دکھا جائیں وہ ہیں خواب سنہرے

شاید انہیں زنجیروں میں ہم قید یہاں ہیں
پنجرہ نہ سلاخیں ہیں مگر صید یہاں ہیں

چھٹکارا ملے ان سے تو آزاد وطن ہو
خوشیوں سے تبسم سے بھرا اپنا چمن ہو

○

برق گرتی ہے تو

وقت کا جیسے کرم ہو گیا شیطانوں پر
برق گرتی ہے تو بھارت کے مسلمانوں پر

ایسی مکاری دغابازی کہاں دیکھی گئی
پٹی وعدوں کی ہمیشہ رہی آنکھوں پہ بندھی
آڑ میں اس کی، ہوئی پوری طرح من مانی
کر کے مسمار تقدس کو ہوئے خوش وحشی

تھے جو مظلوم وہ لوٹا کئے انگاروں پر
برق گرتی ہے تو بھارت کے مسلمانوں پر

ایک گولی بھی ایودھیا میں نہ چلنے پائی
سارے بھارت کے مسلمانوں پہ برسنے آئی
تھی وہاں شانتی تخریب گروں پر چھائی
احتجاج اس پہ کیا جس نے تو گولی کھائی

سایۂ امن تھا تخریب کے متوالوں پر
برق گرتی ہے تو بھارت کے مسلمانوں پر

آج کے دور میں ہیں چین بھی جاپان بھی ایک
اب یہود اور نصاریٰ کا ہے طوفان بھی ایک
ہیں ہنود ایک جگہ، مان کے بھگوان بھی ایک
''کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک''

برق پھر گرتی صنم، اور صنم خانوں پر
اب وہ گرتی ہے تو بھارت کے مسلمانوں پر

○

مسلمان

(تضمین و نظم اقبال سے استفادہ)

(علامہ اقبال نے مسلم کردار کی اپنے ترانے میں جو تصویر کشی کی ہے اسی کی باز گشت تضمین کی صورت میں پیش ہے۔)

قرآن نے بتایا، ہے آسماں ہمارا
وابستہ دینِ حق سے سود و زیاں ہمارا
فکر و نظر کا رقبہ ہے بیکراں ہمارا
وحدت کا ذرہ ذرہ ہے بے گماں ہمارا
چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

دنیا میں ہر جگہ ہیں کہئے کہاں نہیں ہم
ہمت جواں ہے اپنی اب ناتواں نہیں ہم
منزل سے دور ہو جو وہ کارواں نہیں ہم
باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے، تو امتحاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

نکلے کبھی تھے تنہا وہ دن ہے یاد تجھ کو
قطرے بنے تھے دریا وہ دن ہے یاد تجھ کو
عزم و یقیں جواں تھا وہ دن ہے یاد تجھ کو
اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

ہر وقت بے نیاز سود و زیاں ہوئے ہیں
جب وقت نے پکارا تیر و کماں ہوئے ہیں
فتنوں نے جب جھنجوڑا، برق تپاں ہوئے ہیں
تیغوں کے سائے میں ہم، پل کر جواں ہوئے ہیں
خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

قلب حزیں میں پیدا کر پہلے ڈر خدا کا
سجدوں کو زندگی دے حاضر ہے در خدا کا
دل میں ہو حُبِّ احمدؐ اور ذکر کر خدا کا
دنیا کے بتکدے میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم پاسباں ہیں اس کے، وہ پاسباں ہمارا
مسلم ہیں وطن ہے سارا جہاں ہمارا

کانوں میں اپنے کوئی نغمہ سرا ہے گویا
آنکھوں میں نورِ حق کا منظر بھرا ہے گویا
ہمت سے محنتوں سے گلشن ہرا ہے گویا
اقبالؔ کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

○

کردارِ مسلم

(علامہ اقبالؔ کے مصرع 'ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے' کی روشنی میں)

مثبت کردار

جہانِ رنگ و بو میں دین حق کا پاسباں تو ہے
ہے گر مرد مجاہد، حاصل کون و مکاں تو ہے
بڑھا کر رفت کی قوت زمانے پر یہ ثابت کر
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

حفیظ نور ایمانی متاعِ دو جہاں تو ہے
جہاں دنیا ٹھہر جائے وہاں گرمِ رواں تو ہے
تو عالم ہے مجاہد ہے تو زاہد ہے تو تاجر بھی
ہے فضلِ حق، بہر پہلو زمانے میں عیاں تو ہے

اگر وسعت پہ آجائے تو بحر بیکراں تو ہے
کبھی کہنے پہ آجائے تو پھر جادو بیاں تو ہے
جدال زندگی میں قہر ہے محشر بداماں بھی
سلوک زندگی میں نفس مومن مہرباں تو ہے

منفی کردار

مگر کردارِ حق چھوڑا تو پھر بار گراں تو ہے
برائی میں نمایاں ہے بھلائی میں نہاں تو ہے
جہاں کی رنگ رلیوں میں رہا ہے مست اور بے خود
اگر دیکھے کبھی مڑ کر تو دنیا میں کہاں تو ہے

مسلماں کیوں ہر اک عنوان کا سادہ بیاں تو ہے
نہیں باقی تری قیمت متاعِ رائیگاں تو ہے
ترا کردار وابستہ نہیں اب ذوق ایماں سے
بھلائی جا چکی ہے دیر سے وہ داستاں تو ہے

جہاں انسانیت آنسو بہائے شادماں تو ہے
بُرے ماحول گندی محفلوں کے درمیاں تو ہے
روابط میں ضوابط میں ترا کردار گندہ ہے
تبسم تیرا شیوہ تھا کبھی، اب اک فغاں تو ہے

جہانِ رنگ و بو میں کچھ نہیں پستی ہی پستی ہے
پلٹ آ اب ترے کردار کو دنیا ترستی ہے

○

عرضِ حال

یکم جولائی ۱۹۳۲ء کو میری ولادت ہوئی، والدین نے نام امیر اللہ رکھا۔ والدِ محترم حضرت حاجی خیر اللہ خلیقؔ، کامیاب اور دیندار تاجر تھے، ساتھ ہی معاشرتی اور سماجی قدروں میں دلچسپی کی وجہ سے ناگپور کے سب سے بڑے مسلم تعلیمی ادارے ''انجمن حامیِ اسلام'' کی مجلس مشاورت کے رکن اور مومن پورہ ناگپور کے واحد تعلیمی ادارے ''مدرسہ اسلامیہ'' کے طویل عرصے تک منیجر رہے۔

دوسرے بچوں کی تعلیم کے ساتھ موصوف نے اپنے بچوں کی دینی اور دنیوی تعلیم کا لحاظ رکھتے ہوئے مجھے سول انجینئرنگ کی تعلیم دلوائی۔ محترم والد مرحوم کو شعر وسخن سے بھی شغف رہا تھا۔ 'خلیقؔ' تخلص فرماتے تھے۔ ان کے بڑے بھائی حضرت منشی عبدالستار مضطرؔ' برہانپور کے مستند اور استاد شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ میرے بھائی حضرت ہدایت اللہ ہادیؔ مرحوم طنز ومزاح کے معروف اور مقبول شاعر تھے۔ تایا' والد اور بڑے بھائی کی صحبت شعری کی وجہ سے مجھے بھی بچپن ہی سے شعر وسخن سے خاصہ شغف رہا، لیکن یہ شغف صرف اشعار کو سننے، پڑھنے تک رہا اور دلچسپی زندگی کی دینی اور معاشی تعمیر پر رہی۔

۱۳؍ جولائی ۱۹۷۹ء کی شام یہ سانحہ پیش آیا کہ میرے دو (۲) عزیز بھانجوں

مسلمان کا المیہ

ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں ظلمتیں، تاریکیاں
اڑ رہی تھیں دھجیاں ناموس کی اخلاق کی
گھور اندھیاروں میں جب
اک دیا!
نورِ ہدایت کا جلا
ظلم و استبداد کی چلنے لگیں پھر آندھیاں
اور طوفانِ ستم کے باوجود
لَو دیئے کی!
زندگی کی گیت گاتی ہی رہی
اور جلاتی ہی گئی کتنے چراغ
اور طوفانی ہواؤں میں یہی روشن چراغ
ظلمتوں میں روشنی دیتے رہے
جلتے رہے
المیہ! یہ ہے کہ آج
روشنی والے اندھیروں کی طرف راغب ہوئے
بے ثباتی جانتے ہیں ساری دنیا کی مگر
ریجھے جاتے ہیں اسی کے حُسن پر
ماحصل اس کو سمجھ کر

برسرِ پیکار ہیں
موم غیروں کے لئے اپنوں کی خاطر سنگ ہیں
اوراپنوں ہی کی خاطر حامل تلوار ہیں
کیساایمان ویقین
کیسا استقامت اور عمل
روشنی والے تو پورے غازیِ گفتار ہیں
ظلمتوں میں ڈوب جانے کے لئے تیار ہیں

○

واپسی

(علامہ اقبال کے مصرع 'نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں' پر تاثر)

بہت سے ڈھونڈتے رہ جاتے ہیں خوابوں کی تعبیریں
بناتے ہیں کئی امید کی ذہنوں میں تصویریں
کچھ ایسے ہیں کہ جن کے ذہن میں لالچ کی تعمیریں
مگر کیا بات ہے حاصل نہیں کچھ ان کی تاثیریں

یہ قرآں روشنی دیتا ہے کہ ایماں کو اپناؤ
عمل کو تھام رکھو صاحب کردار بن جاؤ
خلوص و صدق کو اخلاق کو دنیا میں پھیلاؤ
دلوں میں جذبۂ عشق و وفا کی آگ بھڑکاؤ

جہاد زندگی اور قول صادق کی ضرورت ہے
دل بیمار کو پھر ایک حاذق کی ضرورت ہے
کہے جو سچ ہمیشہ ایسے ناطق کی ضرورت ہے
سلگتے دور میں کردار سابق کی ضرورت ہے

یہ سب کردار اور قول و عمل وابستہ مومن سے
خلوص، اخلاق بھی ہوتے ہیں سب ہم رشتہ مومن سے
جہادوں کی فضا ہو جاتی ہے صف بستہ مومن سے
قد آور کانپنے لگتے ہیں تن میں پستہ مومن سے

اسی مومن کے بارے میں مرے اقبال کہتے ہیں
''نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں''

○

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

جائزہ

توبہ توبہ یہ کیا ہوئے ہم لوگ
سہمے سہمے ڈرے ڈرے ہم لوگ

لوگ اونچائیوں پہ جا بیٹھے
منہ کے بل نیچے آ رہے ہم لوگ

دین، انساں بنانے آیا تھا
جانور سے برے ہوئے ہم لوگ

دینِ قرآں کے ترک کا انجام
کتنے اوہام میں گھرے ہم لوگ

اہلِ دانش میں تھا شمار، مگر
آج کہلائیں سر پھرے ہم لوگ

○

حقیقت

جب کبھی رنج وغم کی یورش سے
دل میں طوفان درد اٹھتا ہے
سوچتا ہوں کہ خودکشی کرلوں
تا کہ جھگڑا ہی سارا مٹ جائے
پھر اچانک خیال آتا ہے
زندگی تو عطائے یزداں ہے
رنج وغم آتے جاتے رہتے ہیں
زندگی ایک بار آتی ہے
اور جا کر کبھی نہیں آتی —— اور جا کر کبھی نہیں آتی

○

آرزو

صدقے میں مصطفیٰ کے ملاحق کا در مجھے
دنیا میں اب نہیں کوئی خوف و خطر مجھے

میں اپنی دُھن میں تیز روی کی مثال تھا
اڑ اڑ کے دیکھتی رہی گردِ سفر مجھے

چادر میں اعتماد کی بڑھتا چلا گیا
موسم جہاں میں ملتے رہے خشک وتر مجھے

عنبرؔ کو یوں تو تونے کرم سے بہت دیا
انساں کے دل کو جیت لوں دے وہ ہنر مجھے

○

یقین

کسی کے اشک آنکھوں میں پروکر
شکیبائی کی لذت پا گیا ہوں
کسی گرتے ہوئے کا ہاتھ تھامے
مقام ارتقاء تک آ گیا ہوں
شجر بن کر محبت اور وفا کا
کئی ویراں دلوں پر چھا گیا ہوں
کہیں بن کر نشانِ آدمیت
نگاہوں میں کسی کی بھا گیا ہوں

مگر کچھ لوگ ایسا سوچتے ہیں!

میں آخر کیوں کسی کے غم سمیٹوں
میں کیوں گرتے ہوئے کا ہاتھ تھاموں
کسی ویران دل پر کیوں میں چھاؤں
نگاہوں میں کسی کی کیوں سماؤں

وہ سوچیں لوگ جیسا سوچتے ہیں
مگر مجھ کو یقیں ہے کہ خدا ہے

مگر مجھ کو یقیں ہے کہ خدا ہے

○

کاوش

(حروفِ تہجی کی ترتیب میں مختلف بحروں اور متفرق زمینوں میں کہے گئے ایسے اشعار جو جس حرف سے شروع ہوں اسی حرف پر ختم ہوں)

اک خدا جس کی خدائی کا یہ تخلیقی کمال
رنگ میں اور شکل میں بندے ہیں اس کے سب جدا

بات سے اور نت نئی باتوں سے کیا
عامل حق پہلے بن پھر کر خطاب

پاس ادب سے کام ہی لیتے ہیں خوش نصیب
پاس ادب نہ ہو تو رہیں بدنصیب آپ

تندہی اور حوصلہ جذبوں میں ہو
یوں مقام اوج تک جائے حیات

ترک کر بیٹھے تعلق آپ سے
پھر بھی بن پاتی نہیں ہے کوئی بات

جو خرابی ہے زمانے پر محیط
دیکھ کر ان کو بگاڑیں کیوں مزاج

حادثوں سے ڈر گیا جو راہرو
پائے گا منزل وہ اپنی کس طرح

خاکساری ہی مزاجوں میں رہے
ہے بلندی سے مرصع صرف چرخ

دامن میں بھر کے حوصلہ راہ وفا میں چل
منزل رکھے گی قدموں میں عزم سفر کی داد

ذلتوں کے خوان پر کھاتا رہا
وہ غلط اطوار سے رزق لذیذ

رازِ غم اشکوں نے افشا کر دئے
ضبط کی ساری حدوں کو توڑ کر

زباں پہ لا کے کہانی بنایئے نہ انہیں
یہ چھوٹی چھوٹی سی باتیں ہیں، کیجئے نہ دراز

سر اٹھا کر بات کر بنیاد کی
بات کیا، جس کی نہ ہو کوئی اساس

شک کے حجرے میں پڑے ہیں برباد
حق یہ ہے ہم کو نہیں، حق کی تلاش

کے درمیان تنازعے کا غلط' خودغرضانہ اور یک طرفہ سماجی فیصلہ ہوا تو حساس دل پر شدید چوٹ پہنچی۔ دل ودماغ پر رنج وغم کے دباؤ کی وجہ سے آنکھوں سے نیند اڑ گئی۔ گھنٹوں کی اسی کیفیت میں نہ جانے کیسے ذہن میں تین اشعار نے جنم لیا، جو رات کی تاریکی میں کوئلے سے دیوار پر لکھنے میں آئے۔ اس کے بعد آخر کار نیند آ ہی گئی۔

صبح ان اشعار کو کاغذ پر منتقل کرنے اور اُن پر غور وخوض کے بعد انکشاف ہوا کہ مجھ میں فطری طور پر یہ صلاحیت موجود ہے کہ میں اپنے احساس' ادراک' جذبات اور مشاہدے کو نظم کر سکتا ہوں۔ اس لئے قلم اٹھ گیا، مگر اپنی ہی عائد کردہ اس پابندی کے ساتھ کہ جو کچھ کہا جائے گا سچ کہا جائے گا اور سچ کے علاوہ کچھ نہیں کہا جائے گا، اور شعری فکر، دینی ملی تقاضوں اور شرعی احکامات کی پابند رہے گی۔

عنبرؔ تخلص اختیار کر کے والد محترم کے تخلص 'خلیقؔ' کی نسبت سے خلیقی کے اضافے کے ساتھ پورے نام 'امیر اللہ عنبرؔ خلیقی' کے ساتھ شعر وسخن کا سلسلہ چل پڑا۔

ادارۂ ادب اسلامی کے مشاعروں اور نشستوں نے پذیرائی کے ساتھ حوصلہ افزائی کی اور عام مشاعروں میں ملی، فکری نظموں نے مقام فراہم کیا۔ شعبۂ تعمیر میں دقت پسندانہ جذبوں اور تفکر کی گہرائی نے جہاں کم جگہ میں رہائش کی زائد سہولتوں کی خوبیوں والے مکانات منفرد ڈیزائنوں میں تعمیر کرنے کی توفیق عطا کی وہیں شاعری میں اسی مشکل پسندانہ جذبے نے کچھ نادر' منفرد کاوشات سخن میری جھولی میں ڈالی ہیں، جن کو امید ہے کہ پذیرائی ملے گی۔

یہ بات احباب اور ارباب کے درمیان موضوع بحث رہی کہ ایک شخص سول انجینئرنگ کے ذریعے تعمیر مکانات جیسے کثیف اور بھاری بھرکم کام سے وابستہ رہ کر

صبر و ضبط و استقامت اور عمل
کامیابی کی ضمانت ہیں یہی ان کے خواص

ضرب کاری ہم لگا سکتے ہیں تو ہیں ہر حال میں
اس سے پہلے ہم کیا کرتے ہیں لیکن غور و خوض

طبیعتوں کو، مزاجوں کو جانچنے والے
جو فیصلہ بھی کریں گے، نہ ہو سکے گا غلط

ظلم و استبداد والے دہر میں
کیا کریں اپنے پرائے کا لحاظ

عام ہوتی جاتی ہے بے ہودگی
ہم بچائیں کیسے عزت کی متاع

غلام ہے جو شب تار، حرص و آز کا وہ
برائیوں کے جلائے نہ کیوں جہاں میں چراغ

فکر اپنے اور پرائے کی رہے
خود پرستی کا نہ ہم اوڑھیں غلاف

قتل کرنا مجھے آساں ہے جناب
دے خدا جب تمہیں اس کی توفیق

کلام خوش بیاں لائیں کہاں سے
نہیں معراج ذہنی، خوبیوں تک

گل کھلے لالہ کے، گلشن میں لگی
خوشنما، خوش رنگ، خوشبودار آگ

لازماً پھونکیں گے یہ خوشیوں کے گھر
بے حیائی اور اخلاقی زوال

مشکلیں بھی مشکلیں لگتی نہیں
سامنے ہوتا ہے جب مقصد عظیم

نازِ دنیا جو اٹھانے میں ہو گم
جائے دنیا سے وہ بے نام و نشاں

وقارِ زندگی بے حد ضروری
جہاں جاؤ کشیدہ سر ہی جاؤ

ہر طرف سے آئیں گے طعنوں کے تیر
مرد آہن بن، وفا کے ساتھ سہہ

یقیں کی راہ میں ہم کو کہاں نہیں ملتا
گماں کے حجروں میں دنیا ملے، خدا نہ ملے

○

غزلیات

حق کا بیاں، ہوتا کہاں، اک پل نہاں
مجھ پر عیاں، تجھ پر عیاں، اس پر عیاں

اخلاص ہو، اخلاق ہو، تب امن ہو
ہم شادماں، تم شادماں، وہ شادماں

دل ہوں بہم، تو ایک سی، لگنے لگے
میری زباں، تیری زباں، اس کی زباں

بدگوئیاں، بے رہروی، بے ہودگی
مجھ پر گراں، تجھ پر گراں، اس پر گراں

وا ہو نظر، ذہن رسا، دل ہو بڑا
ہم بیکراں، تم بیکراں، وہ بیکراں

غم مختلف، فکریں الگ، مقصد جدا
پھر ہم کہاں، پھر تم کہاں، پھر وہ کہاں

حق و یقیں سے دور تر، عنبرؔ کرے
میرا گماں، تیرا گماں، اس کا گماں

وقت کو کار گر کر چکا معرکہ یہ بھی سر کر چکا
میرا بھر پور ذوق عمل زندگی کو گہر کر چکا

ظلم مظلوم پر کر چکا وہ ستم بیشتر کر چکا
بربریت کا اک سلسلہ خون سے ہاتھ تر کر چکا

خود کو یوں معتبر کر چکا تھا تو مشکل مگر کر چکا
جان دے کر ترے نام پر زندگی کو امر کر چکا

کچھ ادھر سے ادھر کر چکا یا اگر اور مگر کر چکا
آدمی کا ہر اک فلسفہ ختم اپنا سفر کر چکا

لمحہ کو مختصر کر چکا ہر طرح میں گزر کر چکا
اب ہے باقی کہاں زندگی جتنی تھی سب بسر کر چکا

علم و فن پر نظر کر چکا اور حصول ہنر کر چکا
اس سے عنبرؔ جدا سوچنا کام جو ہر بشر کر چکا

(ذوقافیتین)

تیز رو ہیں اگر آرزو کے قدم
ہم بڑھاتے رہیں جستجو دم بہ دم

خون یوں تو زمانے میں بہتا رہا
حق کی خاطر بہے جو لہو محترم

بے خودی بزدلی٬ میکدہ گندگی
پاک اور محترم باوضو کا حرم

سنگ رسوائی کو ٹھوکروں میں لئے
زندگی میں اٹھے آبرو کا قدم

چاہے جتنا ہوائیں اڑاتی پھریں
میں ہوں عنبرؔ نہیں ہوگی بو میری کم

(ذو قافیتین)

اس طرح وہ مرے احساس کے در کھولے گا
مجھ پہ تنقید میں، کچھ وقت اگر بولے گا

نچلی پرواز سے شاہیں کا بھرے دل کیسے
بیکراں ہوگی بلندی تو وہ پر تولے گا

کیسے رسوائی سے دامن کو بچائے گا کوئی
ساتھ میں جسم کے سایہ تو مگر ہولے گا

نئی تعمیر کی خاطر ہے ضروری تخریب
اور تعمیر کرے گا جو، وہ گھر کھولے گا

(ذوقافیتین)

ترا بیان جدا ہے مرے بیاں سے اگر
تو اتفاق کا ہم پائیں گے کہاں سے اثر

کچھ آبرو کے عمل زندگی میں کر لیں گے
اگر ملے گا کبھی سود اور زیاں سے مفر

رضا و صبر و تحمل کا تھام لے دامن
اگر ہو تیرا کبھی صدقۂ گراں سے گزر
صدمۂ

جو بحر زیست میں کھینی ہے جسم کی کشتی
تو سیل ہستی میں کچھ ہمت جواں سے اتر

حیات! موت کی جانب ہے گامزن عنبرؔ
قضا کے ساتھ ہی کرنا ہے اس جہاں سے سفر

(ذو قافیتین)

شکایتوں کے کئی رنگ بھر گیا اک شخص
کچھ اس طرح سے ہمیں تنگ کر گیا اک شخص

اسے شہید زمانہ کہے تو حیرت ہے
خلاف حق جو لڑی جنگ مر گیا اک شخص

ہدایتیں بھی ملیں، حکم بھی، اشارے بھی
کسی طرح نہ مگر ڈھنگ پر گیا اک شخص

ضروری ہے کہ لیاقت بڑھایئے عنبرؔ
صلاحیت سے ہمیں دنگ کر گیا اک شخص

یقیں سے دور بھٹکتا گماں گماں ہوں میں
فضائے فکر و عمل میں دھواں دھواں ہوں میں

جہاں برائی ہے وہ میری رہ گزر کیوں ہو
جہاں جہاں ہے بھلائی وہاں وہاں ہوں میں

نسیم صدق کی صورت میں ہوں گل کردار
نظر نظر میں بسا ہوں، زباں زباں ہوں میں

نشاط اور مسرت کا نغمۂ دل شاد
خوشی کے پھول کھلے ہیں جہاں جہاں ہوں میں

تھکی تھکی ہوئی سانسیں بتا چلیں عنبرؔ
فضول جینا بھی کیا ہے زیاں زیاں ہوں میں

شعروسخن کی لطافت اورنزاکت سے کیسے ہمکنار ہوتا ہے۔

یہ مجموعہ کلام ''احساس کا سفر'' صرف ''تحریک ادب اسلامی'' کے زیر سایہ دینی، ملی، معاشرتی اور نظریاتی اور عملی قدروں کو پیش کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ دینی فکر اور ملّی قدریں نمایاں ہوں اور صرف ''ادب اسلامی'' کی ہی ترجمانی ہو۔

پروردگار نے مجھے جتنا علم، دانش اور ہنر عطا کیا ہے، میں نے ان کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے طبع آزمائی میں زیادہ سے زیادہ رضائے الٰہی کے جذبے کے تحت ہی لوگوں کے ذوقِ سلیم کی تسکین اور اہل نظر کے قلبی اطمینان کا سامان کیا ہے اور صرف پروردگار کے بھروسے پر امید کرتا ہوں کہ یہ طبع آزمائی ان شاء اللہ اہل علم، اہل سخن، اہل ذوق اور اہل نظر کی پسندیدگی اور پزیرائی کا باعث بنے گی۔

میں نے ذاتی طور پر اپنی طبع آزمائی اور سخنوری پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ میرا یہ کارِسُخن خدمات کی تین جہتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اول دینی وملی خدمت، دوم انسانی ومعاشرتی خدمت اور سوم اردو زبان وادب کی خدمت۔

اخلاص اور غور وفکر کے ساتھ میری کاوشات پر ناقدانہ نظر ڈالنے والے ضرور بالضرور میرے قائم کئے گئے اندازے کو نظر میں رکھیں گے۔

میں بابو محمد اشفاق صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ موصوف نے امیر جماعتِ اسلامی علاقہ، ناگپور اور کامٹی کی حیثیت سے ہمیشہ 'ادارۂ ادب اسلامی' کے منعقد کردہ مشاعروں اور شعری نشستوں کی حمایت اور اعانت کی ہے۔

بزرگ محترم مرحوم حبیب الرحمان صاحب، جو سابقہ قائم مقام امیر حلقہ مہاراشٹر

وہ فقط تیرا نہیں میرا حفیظ
ہے خدا غفار اور سب کا حفیظ

اس کو خطرہ کس سے ہے، ڈر کس کا ہے
ہے خدائے انس و جاں جس کا حفیظ

جال سے مکڑی کے دشمن رک گئے
تھا نبیؐ کے واسطے کیسا حفیظ

رکھ لے پورا اعتماد اللہ پر
یوں کوئی بندہ بنے اپنا حفیظ

جو کبھی تھکتا نہیں، سوتا نہیں
کس قدر مضبوط اور اعلیٰ حفیظ

بے خطر ہر راہِ حق میں چل پڑو
آپ کا عنبرؔ جو ہے مولیٰ حفیظ

ہر دور میں اللہ کی رحمت بھی بہت تھی
انساں کو غلط فہمی میں نخوت بھی بہت تھی

نخوت تھی امیرانہ کہ دولت بھی بہت تھی
اس شخص پہ اللہ کی لعنت بھی بہت تھی

لعنت سے نہ بچ پانے کی صورت بھی بہت تھی
لیکن! جو بچاتی رہی ''غیرت'' بھی بہت تھی

غیرت تھی گراں مایہ تو خدمت بھی بہت تھی
اس واسطے انسانوں میں وقعت بھی بہت تھی

وقعت سے ہی وابستہ مروت بھی بہت تھی
انسان کو انساں سے محبت بھی بہت تھی

اس ذوق محبت سے شکایت بھی بہت تھی
اور سر پھرے انسانوں کو نفرت بھی بہت تھی

نفرت زدہ انسانوں میں حسرت بھی بہت تھی
وہ پوری نہ ہو پائی تو حیرت بھی بہت تھی

حیرت سے نکلنے کی ضرورت بھی بہت تھی
اس جذبۂ ایثار کی قیمت بھی بہت تھی

قیمت جو ادا کی تو عنایت بھی بہت تھی
اور ساتھ ہی تعمیل و اطاعت بھی بہت تھی

دراصل اطاعت ہی تھا مقصود الٰہی
اور صدقے میں بخشی گئی برکت بھی بہت تھی

برکت کے ہی سائے میں عبادت بھی بہت تھی
عنبرؔ یہی بندے کو سعادت بھی بہت تھی

○

جو سب کے واسطے سب سے لڑا تھا
وہی اک آدمی سب سے بڑا تھا

زمیں تھی تنگ اور دشمن اڑا تھا
اک ایسا وقت بھی ہم پر پڑا تھا

بھلا اپنوں سے لڑتا' کوئی ' کیسے؟
یہی اک معرکہ ہم پر کڑا تھا

وہ حرف طعنہ و تشنیع' توبہ
جو بن کر پھانس دل میں آ گڑا تھا

اگر عنبرؔ نہیں تو فرق کیسا؟
شجر' سے ایک پتہ ہی جھڑا تھا

درد و غم ہی کارِ وفا کا حاصل لگتا ہے
جو کچھ اس کے بعد ملے سب فاضل لگتا ہے

ذہن کو اوڑھے دور تلک چل لینا ہے آسان
دل کا بوجھ اٹھا کر چلنا مشکل لگتا ہے

صبر و ہمت، جہد مسلسل، جس حد تک لے جائیں
اس سرحد کے آگے ہی تو ساحل لگتا ہے

انساں کا جو درد نہ سمجھے اور فتنے بھڑکائے
اہل نظر کو ایسا عالم' جاہل لگتا ہے

سر جو رکھ دے غیر کے آگے کچھ پانے کی خاطر
وہ خود اپنی خود داری کا قاتل لگتا ہے

خوش رہنے کا فن جو جانے اوروں کو خوش رکھ کر
ہم کو عنبرؔ مرد وہی اک کامل لگتا ہے

حلال رزق پہ مائل جنون کس کا ہے
پسینہ بن کے جو بہتا ہے خون کس کا ہے

بہت سی ملتیں موجود ہیں زمانے میں
بتاؤ! حالِ دگرگوں، زبون کس کا ہے

بہک گئے ہیں کئی چل کے راہ منزل میں
یہ دیکھنا ہے کہ قائم جنون کس کا ہے

کوئی ہے قانع حالات پُر ہوس کوئی
یہاں پہ قلب مگر پر سکون کس کا ہے

سکون و امن تو عنبرؔ فضا سے ظاہر ہیں
مگر فساد بپا اندرون کس کا ہے

جہاں سلگتے ہیں ہم سے ہنروروں کے چراغ
وہاں کہاں جلیں، مکّار رہبروں کے چراغ

ضرور آندھی تعصب کی چل گئی ہوگی
بجھے بجھے نظر آتے ہیں کیوں گھروں کے چراغ

وہ تیز و تند ہوائیں ضرور آئیں گی
جو ایک پل میں بجھا دیں گی خودسروں کے چراغ

اندھیری قبر میں کام آئیں گے عمل اپنے
وہاں تو کام نہ آئیں گے دوسروں کے چراغ

بقولِ حضرتِ مجروحؔ جب ستم جاگے
ستون دار پہ رکھتے چلو سروں کے چراغ

ہوس کے ساتھ ہے عنبرؔ جہاں خود آرائی
وہاں تو جلتے نہیں ہیں سخنوروں کے چراغ

✪

بڑھے ہیں بے شمار علم و آگہی کے سلسلے
مگر انہیں کے ساتھ کیوں ہیں تیرگی کے سلسلے

انہیں میں راہ خیر کی تلاش عین دین ہے
جو چار سمت پھیلے ہیں یہاں بدی کے سلسلے

یہ ذہنیت کا پھیر ہے کہ آدمی جدا جدا
چمن کے نظم سے جڑے کلی کلی کے سلسلے

کہیں حصار ذات میں کہیں فشار غیر میں
کہاں کہاں نہ لے گئے سخنوری کے سلسلے

بس اک سکون قلب ہی تو حسن ہے حیات کا
فساد ذہن و فکر ہیں یہ بے کلی کے سلسلے

لگی دلوں کی مانگتی ہوں ولولے حیات کے
فقط زیاں ہیں وقت کا یہ دل لگی کے سلسلے

جو لمحہ لمحہ کر رہے ہیں احتساب ذات کا
انہیں سے بات کرتے ہیں صدی صدی کے سلسلے

بڑھاؤ عنبرؔ حزیں قدم کو حوصلے کے ساتھ
نہ جانے کتنی دور تک ہیں زندگی کے سلسلے

○

جب دلیلوں کی بات کچھ بھی نہ تھی
عقل کی کائنات کچھ بھی نہ تھی

جن کو احساس آخرت کا رہا
ان کی خاطر حیات کچھ بھی نہ تھی

ہاں! نبی کے لئے شب معراج
وسعتِ کائنات کچھ بھی نہ تھی

جب نفاقوں کا سلسلہ جاگا
بڑھ گئی بات بات کچھ بھی نہ تھی

اجتماعی شعور کے آگے
صرف اپنی ہی ذات کچھ بھی نہ تھی

جن کے دل میں خیال غیر رہا
ان کی خاطر صلوٰۃ کچھ بھی نہ تھی

بات پھیلی جو ڈال ڈال عنبرؔ
بات وہ پات پات کچھ بھی نہ تھی

زباں پہ نعرۂ حق کا ہی غلغلہ رکھنا
دلوں میں دین کی خدمت کا ولولہ رکھنا

حیات نعمت حق ہے نہ خواب میں گزرے
ہمیشہ حسن عمل کا ہی مشغلہ رکھنا

یہ اُلٹے سیدھے مشاغل، فریب ہستی ہیں
نظر کے سامنے محشر کا مرحلہ رکھنا

ہمارے سارے مسائل خدا کے ذمّے ہیں
ہمیں تو آتا نہیں کوئی مسئلہ رکھنا

ہمیشہ وحدت فکری میں جیت ہے عنبرؔ
خیال میں نہ نفاقوں کا زلزلہ رکھنا